مُختارِ کُلّ کا عُقیدہ

مصنف: مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ



مسئلہ مُختارِ کُل

مقدّمہ

مسئلہ مختارِ کُل

الحمدللہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

اختیار کا لفظ ہم روز بولتے ہیں. ہم جب کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں تو یہاں لفظ اختیار چناؤ کے معنی میں بولا جاتا ہے کہ ہم نے اسے پسند کرلیا. اس صورت میں مختار کے معنی ہیں چُنا ہوا — اور یہ اسم مفعول ہے — مختارِ کُل سے مراد پوری کائنات میں اعلیٰ و اَولیٰ — چنا ہوا اور پسندیدہ لیا جاتا ہے اور جب ہم کسی مقدمہ میں کسی کو مختار کرتے ہیں تو یہاں لفظ اختیارات کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اس کے معنی اختیار رکھنے والا کے ہوتے ہیں. اس صورت میں مختارِ کل کے معنی ہوں گے کل اختیارات رکھنے والا. بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اب اپنے سارے اختیارات حضورؐ کے سپرد کر دیئے ہیں.

اہلِ بدعت نے اسلام کے جن قطعی عقائد کو تاویل و الحاد کا نشانہ بنایا ہے ان میں مسئلہ مختارِ کل بڑی اہمیت رکھتا ہے. یہ وہ عقیدہ ہے جس کے سہارے انہوں نے اللہ رب العزت کے تکوینی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر رکھے ہیں. اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضورؐ خدا کی طرف سے تمام اختیارات پائے ہوئے تھے.

الٰہی اختیارات کی سپرداری

دنیا میں حکمران بعض اوقات اپنے اختیارات اپنے نائبین کو سپرد کرتے ہیں — بادشاہ ہو یا وزیراعظم — صدر ہو یا گورنر — پرنسپل ہو یا ہیڈ ماسٹر ان حضرات پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ انہیں اپنے اختیارات اپنے نائبین کے سپرد کرنے پڑتے ہیں لیکن

وہ ایسا کب کرتے ہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) کبھی بیمار پڑ جائیں۔ باوجود اس اعلیٰ منصب کے کہ بادشاہ ہو یا صدر آخر ہے تو انسان ہی ۔۔۔ اور انسان کبھی بیمار بھی ہو جاتا ہے اس حالت میں پھر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا سو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ عارضی طور پر کسی کو اپنے اختیارات دے اور پھر وہ اس کام کو چلائے۔

(۲) انسان کبھی تھک بھی جاتا ہے جب کام کی کثرت ہو ۔۔۔ اور اس کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ وہ اپنے تمام کام خود نبٹا سکے۔ ان حالات میں ایسے افسروں کو معاون کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) سربراہ کبھی چھٹی پر جائے تو بھی اسے کسی کو قائم مقام بنانا ہوتا ہے۔ انسان کو خواہ وہ بادشاہ اور صدر ہی کیوں نہ ہو۔ کبھی تفریح کے طور پر بھی باہر نکلنا ہوتا ہے اس صورت میں وہ اپنے حکومتی اختیارات کسی کے سپرد کرتا ہے اور پھر وہ اس کا نظام چلاتا ہے۔

(۴) ایسے لوگ جب سرپے پر آئیں تو بھی انہیں کسی کو ولی عہد مقرر کرنا پڑتا ہے۔ موت کی تلوار ہر کسی کے اوپر لٹک رہی ہے اس لیے سلطنتیں کبھی ولی عہد سے خالی نہیں ہوتیں۔

(۵) تخت پر بیٹھے ہوتے یا کرسی عدالت پر بیٹھے ہوئے اگر انہیں کسی بات کا پتہ نہ چلے اور وہ کسی کو تفتیش حال کے لیے بھیجیں تو بھی انہیں ان کو کچھ اختیارات دینے پڑتے ہیں سو اس صورت میں بھی انہیں نائبین کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۶) سربراہ لوگ کبھی کسی کو ازراہِ اعزاز بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور کبھی کسی کو ازراہِ محبت بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا جاتا ہے جیسے شہنشاہ جہانگیر نے ملکہ نور جہاں کو

اپنے ساتھ شریک کیا۔ اس صورت میں بھی انہیں کچھ اختیارات دینے پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مجبوریوں سے پاک ہے۔

۱۔ وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ کبھی تھکتا نہیں۔

۳۔ کبھی چھٹی پر نہیں جاتا۔

۴۔ اس پر موت کی تلوار نہیں لٹکتی کہ اسے کسی کو ولی عہد بنانا پڑ رہا ہے۔

۵۔ اسے معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

۶۔ وہ کسی کو اپنے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ یہ اس کی عزت کا مسئلہ ہے اور اس سے بڑا عزت والا کوئی نہیں۔ شرک کو معاف نہ کرنے کا اس نے اعلان کر رکھا ہے۔

حکم دینے اور اختیار دینے میں فرق

کسی کو کسی کام کا حکم دینا اور کسی کو کسی ضرورت کے لیے اپنے اختیارات سپرد کر دینا دونوں میں فرق ہے۔ بعض کام ایسے ہیں جو خدا کی شان کے لائق نہیں وہ فرشتوں کو ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسے اس نے ملک الموت کو روحیں قبض کرنے پر لگا رکھا ہے فرشتے اس کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون۔ (پ ۲۸ التحریم ۶)

ترجمہ۔ اللہ نے جو انہیں حکم دیا وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

یہ تفویض اختیارات نہیں انہیں حکم دینا ہے ملک الموت اس میں ہرگز صاحب اختیار نہیں کہ کسی کی روح قبض کرے یا اسے زندہ چھوڑ دے۔ خدا کے نظام تکوین میں کوئی دوسرا صاحب اختیار نہیں نہ کوئی انسان نہ کوئی فرشتہ۔

انسانی کاموں اور آسمانی کاموں میں فرق

انسان اس دنیا میں قوانین وضوابط اور اپنے اختیار سے چلتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نیکی بدی کی راہیں اس پر کھول رکھی ہیں اور ان میں چلنے کی اسے باختیار خود توفیق دے رکھی ہے۔ انسان یہاں اپنے اختیار سے اپنے کام کرتا ہے خدا کے نہیں فرشتے خدا کا کام کرتے ہیں تو اپنے اختیار سے نہیں خدا نے اپنے اختیارات اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیئے۔ یہاں دنیا کا نظام ہم اپنے اختیار سے چلا رہے ہیں لیکن اس پر بھی خدا کے تکوینی نظام کی گرفت ہے۔ انتظامی امور اور تکوینی امور میں بڑا فرق ہے۔

① اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام اسباب اور تدریج کے بغیر چلتا ہے۔ کُن سے اتنا بڑا جہان بنا دیا اس کی تکوین ہے۔ یہاں کے انتظامی امور اس نے اسباب سے وابستہ کیے ہیں اور ان میں تدریج چلتی ہے۔

② زمین میں درخت تدریجاً بڑے ہوتے ہیں اور انہیں پانی دیا جاتا ہے جنت کے درخت تدریجاً بڑے نہیں ہوتے نہ ان پر خزاں آتی ہے اور نہ وہ کبھی سوکھتے ہیں ان پر انتظامی نہیں آسمانی حکم چلتا ہے۔

③ نظام تکوینی میں فرشتے مامور ہیں اور زمین کے کاموں میں انسان حکماً مامور اور تکویناً مختار ہے کہ اچھے یا بُرے کام باختیار خود عمل میں لائے۔

④ تکوینی کارکردگی پر جزا سزا نہیں۔ زمین کے انتظامی امور اگر آسمانی ہدایت کے مطابق چلائے جائیں تو ان پر جزا ہے۔ شرائع کی خلاف ورزی کی جائے تو اس پر سزا ہے۔

⑤ خدا کے تکوینی نظام میں آخرت کا کوئی علیحدہ کیمپ نہیں لیکن اس اپنی انتظامی دنیا کے مقابل آخرت دارالقرار ہے۔

یہاں زمین پر کسی کو اختیار ملے جسے وہ صحیح استعمال کرے یا غلط یہ اور بات ہے لیکن خدا کے تکوینی نظام میں کسی کو کوئی اختیار نہیں ملتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ اس کے تکوینی نظام میں اسے کسی کا احتیاج ہو۔ زمین پر جو خدا کا حکم اترتا ہے اس کے حاملین اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہیں پیغمبروں کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام کر دیں یا اس کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال کر دیں۔

الٰہی اختیارات کبھی کسی کے سپرد نہیں ہوتے

اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی سپرداری میں دے دیئے یہ گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ سب سے پہلے اثنا عشری شیعوں نے عقیدہ تفویض گھڑا ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے اصول کافی میں یہ باب باندھا۔

باب التفویض الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی الائمۃ علیہم السلام فی امر الدین۔ (اصول کافی جلد ص)

ترجمہ۔ کاموں کو دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور (بارہ) ائمہ کے سپرد کرنے کا باب۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ عقیدہ تفویض تسلیم کرنا دینی طور پر ضروری ہے یہ ہمارا دین ہے کہ اب مخلوق کے سارے کام بارہ اماموں کے سپرد ہیں وہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے بھی پھر یہی شیعوں کا عقیدہ اپنایا۔ البتہ انہوں نے بارہ اماموں کی بجائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو یہ اختیارات تفویض کیے ہیں۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

ے احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[1]

بریلویوں کا استدلال اس آیت سے ہے۔ ما اتاکم الرسول فخذ وہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ اس آیت کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں یہ علم سے متعلق ہے حضرت جس بات کو جائز فرمادیں اسے عمل میں لے آؤ اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اب اس آیت میں سارے نظام خلق کو لانا قرآن کریم کی ایک کھلی تحریف ہے۔

شارح اصول کافی علامہ خلیل قزوینی نے سوچا کہ جب سارا امر خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہو گیا ہے تو کیا خدا چھٹی پر چلا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ کوئی شخص اس عقیدہ فاسدہ کو قبول نہ کرے گا۔ اس نے امر خلق میں ایک قید لگادی کہ خدا نے سارے کام آپ کے سپرد نہیں کیے بعض کیئے ہیں اس توجیہ کے بغیر لوگوں کے حلق میں شرک کی یہ زہر کی گولی نہ اتاری جا سکتی تھی۔

ملا خلیل قزوینی لکھتا ہے :۔

بدرستیکہ اللہ عزوجل واگذاشت بسوی نبی خود صلی اللہ علیہ وسلم بعض کار مخلوقین خود۔[2]

وہ کون سے کام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئے اسے بریلویوں سے سنیں۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر اور مُردار تو خود حرام کیے مگر کتے اور بلے خود حرام نہیں کیے۔ یہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حرام کروائے ہیں۔ دیکھیے کس طرح حضورؐ اور اللہ تعالیٰ کے مابین تقسیم کار تجویز ہو رہی ہے۔ بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار لکھتے ہیں :۔

---

[1] حدائق بخشش ۲ صد ۸ [2] الصافی حصہ اول جزو ۳ صد ۲۴۸

سؤر کے تمام اجزاء حرام ہیں گوشت، مغز، گردہ وغیرہ رب فرماتا ہے
انہ رجس اور رجس یعنی پلید چیز حرام ہی ہوتی ہے لیکن رب کی مرضی
یہ تھی کہ سؤر کا گوشت میں حرام کروں اور اس کے باقی اجزاء میرے
حبیب حرام فرمائیں جیسے اس نے صرف سؤر کو حرام کیا۔ باقی کتا بلا
وغیرہ اس کے حبیب نے۔ [1]

بات اثنا عشری شیعوں کی ہو رہی تھی پہلے انہوں نے عقیدہ تفویض مانا۔ پھر ان سے اسے بریلویوں نے لیا شیعہ کا عقیدہ ہے کہ پہلے ذات واجب وحدہ لاشریک لہ کی شان رکھتی تھی۔ پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت علی کو پیدا کر لیا۔ اور پھر سب چیزیں پیدا کیں۔ حضور اور ائمہ کرام خدا کے کائنات پیدا کرنے کو دیکھتے رہے اس کی ایک ایک تخلیق پر وہ حاضر و ناظر رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تابعداری باقی مخلوقات پر لازم کر دی اور فیصلہ فرمایا کہ اب سب کائنات ان کی ماتحتی میں چلے گی یہ بارہ امام جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔

ملا محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ لم یزل متفردًا بوحدانیتہ ثم خلق محمدًا وعلیًا وفاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھا الیھم فھم یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون۔ [2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت میں ایک رہا یہاں تک کہ اس نے حضرت محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا اور ان پر ہزار دور گزرے پھر اللہ تعالیٰ نے باقی تمام چیزیں پیدا کیں اور ان کی پیدائش

---

[1] نور العرفان ص۹ [2] اصول کافی کتاب الحجۃ جلد ص

پر ان تینوں کو گواہ کیا اور ان پہ ان کے حکم سے چلنا جاری فرمایا اور
ان کے سب امور ان تین کے سپرد کر دیئے اب وہ جسے چاہیں
حلال کریں اور جسے چاہیں حرام کریں۔

شیعوں نے حضرت امام جعفر صادق رضؓ (۱۴۸ھ) سے جو مذہب چلایا ہے وہ حضرت امام کا اصل مذہب نہیں۔ یہ انہوں نے ان کے نام سے گھڑ لیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کا اصل مذہب وہ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے آپ سے آگے روایت کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے پوچھا:۔

یاابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل فوض اللہ الامر الی
عبادہ۔[1]

ترجمہ اے اللہ کے رسول کے فرزند! کیا اللہ تعالیٰ نے عالم امر کی
کوئی چیز اپنے بندوں کے بھی سپرد کی ہے؟

اس پر حضرت امام نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ اجل من ان یفوض الربوبیۃ الی عبادہ[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالاذات ہے کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں
میں سے کسی کے سپرد کرے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ تفویض (اختیارات کا ملنا) اہل سنت کا مسئلہ ہرگز نہ تھا یہ یہودیوں کے ساز کی آواز تھی جو شیعوں کے ہاں سُنی گئی معلوم نہیں بریلویوں نے یہ شیعوں کی چھاپ اپنے اوپر کیوں ڈھال لی ہے۔

بریلوی عقیدے کے مطابق سورج طلوع ہونے سے پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے اذن لیتا ہے۔ حضرت اجازت دیتے ہیں تو وہ طلوع کرتا ہے مولانا احمد رضا

---

[1] مکتوبات معصومیہ مکتوب ۸۳ صہ [2] ایضاً

خاں کہتے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا :-

آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ مجھ پر سلام نہ کرے [1]

سورج کا طلوع و غروب تکوینی امور میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بریلوی عقیدے کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادر ہی ساری دنیا کا نظام چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ساری تدبیر کائنات آپ کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں :-

ذی تصرف بھی ماذون بھی مختار بھی
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر [2]

اس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو تدبیر کائنات میں مختار کل مانا گیا ہے کیا یہ قرآن کے اس اعلان کے خلاف نہیں جس میں صریح طور پر اللہ تعالیٰ کو تدبیر کائنات کرنے والا بیان کیا گیا ہے :-

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ (پ۲۱ السجدہ ۵)

ترجمہ۔ وہ خدا ہے جو کام کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اس کی طرف رجوع کرے گا یہ سارا نظام اس دن جس کی مقدار تمہارے حساب کے ہزار سالوں کے برابر ہوگی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اس دنیا میں بھی وہی تدبیر کائنات فرماتا ہے اور آخرت میں بھی یہ جملہ کاروبار اسی کی طرف رجوع کرے گا۔ تکوین تو اپنے درجہ میں رہی بریلویوں کے ہاں تو تقدیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :-

---

[1] الامن والعلیٰ صفحہ ۳۲ [2] حدائق جلد ۱ صفحہ ۳۷

حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جس کے لیے چاہیں اس کی زندگی ہی میں توبہ کا دروازہ بند کر دیں کہ وہ توبہ کرے اور قبول نہ ہو اور جس کے لیے چاہیں بعد موت بھی توبہ کا دروازہ بھی کھول دیں اور اس کو زندہ فرما کر مسلمان کر دیں۔[1]

بریلویوں کے لیے لمحۂ فکریہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب پر توبہ کا دروازہ بند کیا تھا کہ وہ اسلام نہ لا سکے اور کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے کہا تھا :۔

انك لا تهدی من احببت۔ (پ۲۰ القصص ۵۶)

کہ آپ جسے چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی لکھتے ہیں :۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لا دیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کلی اختیار نہیں (وہ مختار کل نہیں) تو ولی کو کس طرح ہو یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔[2]

---

[1] سلطنت مصطفیٰ صہ ۵۸ [2] مکتوبات طیبات بمہر چشتیہ صہ ۱۲۷ مطبوعہ لاہور

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) خود تو یہ فرمائیں کہ تفویض کا عقیدہ شیعوں کے ایک فرقے کا ہے اور بریلوی ہیں کہ خود حضرت شیخ کے بارے میں تفویض پر اعتقاد جمائے بیٹھے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا یہ شعر پھر پڑھیئے۔

ع ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی
کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبدالقادر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں :-

المفوضۃ فھم القائلون ان اللّٰہ فوض تدبیر الخلق الی الائمۃ وان اللّٰہ اقدر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی خلق العالم وتدبیرہ[1]

فرقہ مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ تدبیر کائنات ائمہ کے سپرد کر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کو یہ قدرت دے رکھی ہے کہ جہان کو پیدا بھی کریں اور اسے چلائیں بھی۔

بریلویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی دونوں کو تکوین اور تدبیر کائنات میں مختار کل بنا رکھا ہے پھر تشریعی امور میں بھی ان کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے چاہیں نماز معاف کر دیں اور جس کے لیے چاہیں روزے معاف کر دیں ــــ جب دین میں الحاد کی راہیں ہی تلاش کی گئی ہیں تو پھر کون کسی کو روک سکتا ہے۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ نے مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں فرمایا۔ اعلیحضرت نے سمجھ لیا تھا :-

کچھ مختصر سی بے ہنگام جماعت ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو مجدد ماننے والی سردست موجود ہے اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانیوں کا کیا بگڑا ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے تو اپنے لیے بھی سب کچھ ہو لے گا[2]

---

[1] غنیۃ الطالبین صد ۲۱۱ [2] تجلیات انوار المعین صد ۲

بریلویوں کا عقیدہ مختارِ کل

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اس دور میں اہل بدعت نے اسلام کے جن قطعی عقائد پر زندقہ والحاد کی مشقیں کی ہیں ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا خدا نے اپنے کسی بندے کو اپنے خدائی اختیارات دیئے ہیں ؟ یاد رکھیئے اسلام میں خدا کی بادشاہی مسلسل اور غیر متزلزل ہے۔ کسی وقت اس نے اپنے آپ کو تدبیر کائنات سے فارغ نہیں کیا۔ اس کی قدرت لازوال ہے اور کسی بڑے سے بڑے انسان سے بھی ممکن نہیں کہ وہ کائنات کے چلنے کا سٹیرنگ اپنے ہاتھ میں لے سکے۔

آنحضرتؐ کو مختارِ کل قرار دینے سے پہلے ان دس امور پر غور کیجئے

① کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی کسی بات کو چھپالیں اور آگے نہ پہنچائیں — کیا کوئی سنی العقیدہ حضورؐ کے لیے تقیہ جائز کرنے کی غلطی کر سکتا ہے ؟ قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جواب لیجئے :-

اللہ تعالیٰ نے تبلیغ رسالت آپ پر فرض ٹھہرائی اور فرمایا کہ اگر آپ اسے آگے نہ پہنچائیں تو آپ نے رسالت کی ذمہ داری ادا نہ کی — لوگوں سے ڈر کس بات کا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حفاظت کا وعدہ دیتے ہیں ۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ واللہ یعصمک من الناس۔

(پ المائدہ ۶۷)

ترجمہ۔ اے رسول! آپ آگے پہنچادیں جو آپ کی طرف اُتارا گیا ہے
آپ کے رب کی طرف سے۔ آپ نے اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے
اس کا پیغام آگے نہ دیا — اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے اپنی
حفاظت میں رکھیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو تبلیغِ رسالت چھوڑنے کا اختیار نہ تھا۔ تبلیغ اگر آپ پر فرض تھی تو آپ کو مختارِ کل کیسے مانا جاسکتا ہے۔ مختارِ کل تو وہ ہوتا ہے کہ وہ یہ کام کرے یا نہ — اس کے ذمہ کوئی بات نہیں آتی اور نہ کوئی بات اس پر لازم ٹھہرتی ہے۔

(۲) کیا آپ کو فرض نماز چھوڑنے کا اختیار تھا؟ یا نماز آپ پر فرض تھی؟ پھر نماز آپ پر بقیدِ وقت فرض تھی یا جب چاہیں پڑھ لیں۔ اگر آپ پر نماز بقیدِ وقت فرض تھی تو آپ مختارِ کل کیسے ٹھہرے؟ مختارِ کل تو تبھی ہو سکتے ہیں کہ چاہے پڑھیں چاہے نہ پڑھیں — قرآن کریم میں ہے:۔

وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آناء
الليل واطراف النهار۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۳۰)

ترجمہ۔ اور آپ نماز پڑھیں اپنے رب کی حمد کرتے سورج طلوع
ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے (فجر اور عصر
کی نمازیں) اور رات کی گھڑیوں میں (مغرب اور عشاء کی نمازیں)
اور دوپہر کی نماز (نمازِ ظہر)

اور یہ بھی فرمایا:۔

ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا۔ (پ۵ النساء ۱۰۳)

ترجمہ۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔
پھر اگر نماز آپ پر فرض نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب لیا جائے گا۔
یاایھا المزمل۔ قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلاً
اوزد علیہ ورتل القران ترتیلاً۔ (پ المزمل)
ترجمہ۔ اے کملی میں لپٹنے والے۔ رات کا قیام کریں۔ آدھی رات یا
اس سے کچھ کم یا اس پہ کچھ زیادہ اور کھول کھول کر پڑھیں قرآن
کو صاف۔

اس میں جہاں آپ کو اختیار دیا گیا اس کا بھی ذکر ہے اور جہاں آپ پر قیام اللیل فرض کیا گیا اس کا بھی ذکر ہے اگر اس کے بھی چھوڑنے کا اختیار تھا تو پھر نصف سے کچھ کم کرنے یا نصف پر کچھ زیادہ کرنے کا اختیار دینے کے کیا معنی رہ جاتے ہیں۔

پھر اگر نماز آپ پر فرض نہ تھی آپ مختار کل تھے تو پنجگانہ نمازیں کیا آپ متنفل ہوتے تھے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مفترض ہوتے تھے۔۔۔ پھر یہ مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا کہ کیا مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے ادا ہو جاتی ہے؟

(۳) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں کسی تبدیلی کا اختیار تھا؟ آپ سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ کوئی اور قرآن لائیں یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیں تو ہم آپ کو پیغمبر مان لیں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں قرآن کریم میں کسی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر آپ کو اس کا اختیار نہ تھا تو آپ مختار کل کیسے مانے جاسکتے ہیں۔

ایت بقران غیر ھذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء
نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الی۔ (پ یونس ۱۵)
ترجمہ۔ لے آ کوئی قرآن اس کے سوا۔ یا اس کو کچھ بدل دے۔ آپ کہہ

کہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو بدل دوں میں تو اسی بات کے پیچھے
چلتا ہوں جس کا مجھے حکم ہے۔

(۴) مختار کے مقابل کون کون سے الفاظ ہیں۔ ۱۔ مامور ۲۔ مکلف اور ۳۔ مسئول وغیرہ۔ مامور وہ ہے جو کسی دوسرے کے امر کے تحت چلے۔ مکلف وہ ہے جو کسی ضابطے کا پابند ٹھہرایا گیا ہو۔ مسئول وہ ہے جس سے اس کی ذمہ داریوں کا سوال کیا جا سکے صحافی حلقے میں ایک مدیر مسئول ہوتا ہے جو حکومت کے سامنے اپنی ذمہ داریوں کا جوابدہ ہوتا ہے۔ یہ مسئولیت بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ خود مختار کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ کسی کے سامنے مسئول نہیں۔

لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون۔ (پ۱۷ الانبیاء ۲۳)
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں کسی کا مسئول نہیں یہ سب لوگ اس
کے مسئول ہیں۔

دنیا میں جو پیغمبر بھی آئے اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر لگے۔ حضور ختمی مرتبت بھی اللہ کے پیغمبر تھے اور آپ پر بھی رسالت کی ذمہ داریاں تھیں۔ اب جس طرح امتوں سے پوچھا جائے گا کہ تم ہمارے احکام بجا لائے یا نہ ــــ ان پیغمبروں سے بھی پوچھا جائے گا کہ تمہاری بات کہاں تک مانی گئی۔ اب آپ ہی غور کریں جس پر یہ ذمہ داریاں عائد ہوں ہوں وہ مختارِ کل کیسے ہو سکتا ہے۔

فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین۔ (پ۸ الاعراف ۶)
ترجمہ۔ پس البتہ ہم ان لوگوں سے جن کی طرف رسالت گئی ضرور پوچھیں
گے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا اس آیت میں تمام پیغمبروں کے مسئول ہونے کا بیان نہیں؟ اگر پیغمبر بھی مسئول ٹھہرے تو پھر کیا مختارِ کل کا عقیدہ قائم رہا؟ پھر اللہ تعالیٰ

نے یہ بھی فرمایا :۔

یوم یجمع اللہ الرّسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انك

انت علام الغیوب ۔ (پ المائدہ ۱۰۹)

ترجمہ جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو اور پوچھے گا تم کو قوم کی طرف سے کیا جواب ملا (تمہاری بات کہاں تک مانی گئی) وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں تو ہی علم غیب رکھنے والا ہے۔

خود مختار خود کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہوتا؟ اگر نہیں تو پھر یہ تمام پیغمبروں سے پوچھ گچھ کیا ہو رہی ہے؟

⑤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مجلس سے مساکین صحابہ کو اُٹھا دینے کا (تاکہ رُوسائے مکہ اپنی شان کے مطابق آپ کی مجلس میں جگہ پاسکیں) اختیار تھا یا آپ انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھنے کے مامور تھے؟ اگر آپ کو یہ اختیار نہ تھا تو آپ مختار کل کیسے ہوئے؟ اور اگر اختیار تھا تو پھر اس حکم الٰہی کا مامور کون ہوگا؟

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ

ما علیك من حسابھم من شیء وما من حسابك علیھم من شیٔ

فتطردھم فتکون من الظالمین ۔ (پ الانعام ۵۲)

ترجمہ ۔ اور دور نہ کرو (اپنے سے) ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا کی طلب میں ۔ پھر تم اگر انہیں دور کرو تو یہ ایک ظلم ہوگا۔

واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون

وجھہ ولا تعد عیناك عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من

اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً ۔ (پ۱۵ الکہف ۲۸)

ترجمہ۔ اور اپنے آپ کو آپ انہیں لوگوں کے ساتھ لگائے رہیں جو
اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں وہ چاہتے ہیں اسی کا چہرہ۔ اور
تیری آنکھیں ان سے اٹھنے نہ پائیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہے
اور تو اس کا کہنا مت مان جس کا قلب ہم نے اپنے سے غافل کر دیا ہے
اور وہ اپنی خواہش کے درپے ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ
جانے والا رہا۔

(۶) صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام نے عہد جاہلیت میں حضورؐ کو بہت تکالیف دی تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بددعا کرنے کا اختیار تھا یا نہیں۔ اگر نہ تھا کہ ہو سکتا ہے وہ آگے جا کر مسلمان ہو جائیں تو آپ مختار کل نہیں رہتے اور اگر اختیار تھا تو اس آیت کا مطلب کیا ہوگا کچھ غور کیجئے۔

لیس لک من الامر شیء او یتوب علیہم او یعذبھم فانھم
ظالمون۔ (پ۴ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۸)

ترجمہ۔ یہ بات آپ کے ہاتھ (اختیار) میں نہیں ہے انہیں وہ
توبہ کی توفیق دے یا اس ظلم پر انہیں سزا دے (یہ اس کے ہاتھ
میں ہے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ آپ ہر بات میں مختار نہ تھے ایسے امور بھی تھے جن سے آپ کو صریحاً روکا گیا۔

اثنا عشری شیعوں کے ہاں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ حضرت علیؓ ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا کہ حاکم مقرر کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

لیس لک من الامر شیء۔ آپ کو کسی بات کا کوئی اختیار نہیں

یعنی میرا فیصلہ یہ ہے کہ علیؓ آپ کے خلیفہ بلا فصل نہ ہوں گے۔ پھر آپ ہی بتائیں اختیار کس کا چلا اور بات کس کی پوری ہوئی — پھر آپ مختارِ کل کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالموں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا عام اختیار تھا یا نہیں آپ اس میں مامور تھے یا مختار؟

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ (پ الانعام ۶۸)

ترجمہ۔ سو آپ یاد آنے کے بعد ہرگز ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھا کریں۔

جس کسی کو حکم کا پابند کیا جائے وہ مامور ہوتا ہے یا مختار؟ — اگر یہ محض اپنی مرضی کی بات ہے تو پھر کیا اسے حکم کہا جا سکتا ہے

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب کو مسلمان بنانے کا اختیار تھا یا نہیں؟ آپ نے اپنے اس چچا کی وفات کے وقت جس اخلاص اور محبت سے اسے اسلام کی دعوت دی اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح ابوطالب آپ پر ایمان لے آئیں — لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ کی ملامت کے ڈر سے کلمہ نہ پڑھا۔ اب بتایئے کہ آپ مختارِ کل تھے یا یہاں اللہ کا حکم چلتا تھا۔

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین۔ (پ۲۰ القصص ع ۶ آیت ۵۶)

ترجمہ۔ بے شک آپ ہدایت نہیں کر سکتے جس کو چاہیں بلکہ وہ اللہ ہے جو ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

(۹) پھر اگر ابوطالب ایمان نہ لائے تو کیا آپ کو ان کے لیے اللہ کے حضور

دعائے مغفرت کی بھی اجازت تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو آپ مختارکل کیسے ٹھہرے اور اگر تھی تو آپ نے حضرت ابوطالب کو جنت میں کیوں نہ بھیج دیا؟

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبیّن لھم انھم اصحاب الجحیم۔

(پ۱۱ التوبہ ع ۱۴)

ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان لانے والوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا بخشش کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

پھر دعا کا لفظ خود بھی تو بتاتا ہے کہ فیصلہ دعا کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مختارِکل وہ جس کی بات چلے اور ہر بات چلے۔

(۱۰) اللہ رب العزت نے جن چیزوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی کو اپنے لیے حرام کرنے کا اختیار تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو آپ مختارکل کیسے ٹھہرے اور اگر تھا تو مندرجہ ذیل حکم الٰہی کس طرح رد کیا جا سکے گا۔

یاایھا النبی لم تحرّم ما احلّ اللہ لک۔ (پ۲۸ التحریم آیت ۱)

ترجمہ۔ اے نبی آپ اپنے اوپر کیوں حرام کیے دیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال ٹھہرائی؟

اس سے پتہ چلا کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں کسی کے حرام ٹھہرانے کا اختیار نہیں تھا ــــ سو اب عقیدہ مختارکل کہاں رہا۔ مختارکل تو وہی ہوتا ہے جس کی بات چلے اور وہ جو چاہے کر سکے۔

حضورؐ کو حلّت و حُرمت کا اختیار سونپنے کی بریلوی تجویز

جاہل بریلویوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں سے صرف خنزیر اور مردار کو حرام کیا ہے کتّے اور بلّے تو اس نے حرام نہیں کیے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا ہے۔ سو اگر حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ امور کو حرام کرنے کا حق نہ ہوتا تو آپ کتّے اور بلّے کو کیوں حرام ٹھہراتے؟ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کا صرف گوشت حرام کیا۔ خنزیر کے گردے حضورؐ نے حرام فرمائے۔

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:۔

سؤر کے تمام اجزاء حرام ہیں گوشت مغز گردہ وغیرہ رب فرماتا ہے انّہ رجس اور رجس یعنی پلید چیز حرام ہی ہوتی ہے۔ لیکن رب کی مرضی کی مرضی یہ تھی کہ سؤر کا گوشت میں حرام کروں اور اس کے باقی اجزاء میرے حبیب حرام فرمائیں جیسے اس نے صرف سؤر کو حرام کیا باقی کتا بلا وغیرہ اس کے حبیب نے۔[1]

تحریم و تحلیل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مابین کوئی تقسیم نہیں ہے جن چیزوں کے حرام ہونے کو آپ نے بیان کیا ان کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آپ کو بتلائی گئی گو وہ وحی خفی سے کیوں نہ ہو۔ دین کے بارے میں آپ نے جو بات کہی وہ وحی سے کہی۔ وہ وحی جلی (مذکور فی القرآن) ہو یا خفی۔

قرآن کریم میں ہے:۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ۔ (پ۲۸ النجم)

حضورؐ کوئی حکم شریعت اپنی طرف سے نہیں دے سکتے۔ شارع حقیقی صرف

---

[1] نور العرفان صد۲۹

اللہ رب العزت ہے۔ حضورؐ کو صرف اس معنی میں شارع کہا جاتا ہے کہ آپ اس قانون الٰہی کی زبان ہیں جس چیز کو آپ حرام فرمادیں وہ حرام ہے گو وہ قرآن کریم میں مذکور نہ ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی خفی سے اس کی حرمت بتلائی ہو یہی مطلب اس حدیث کا ہے:۔

ان ماحرّم رسول اللہ کما حرم اللہ رواہ ابن ماجہ۔[1]

ترجمہ۔ جو چیز اللہ کے رسول نے حرام بیان فرمائی وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ نے اس کی حرمت خود بیان کی ہو۔

آنحضرتؐ نے اس سے پہلے خود بیان فرمادیا:۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ رواہ ابوداؤد۔[2]

ترجمہ۔ سن لو مجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ (حکم میں) اس جیسا کچھ اور بھی۔

وہ دوسری چیز کیا ہے؟ جو حکم میں قرآن کریم کی طرح واجب العمل ہے وہ حضورؐ کی حدیث ہے (جسے آپ اللہ تعالیٰ سے بصورتِ وحی خفی روایت کریں) تحلیل و تحریم میں مصدرِ حکم صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اس میں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

ان التحلیل والتحریم من عند اللہ لامدخل لبشر فیہ۔[3]

ترجمہ۔ بے شک کسی چیز کو حلال کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی بشر کو نہیں۔

محقق ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

الحاکم لاخلاف فی انہ ربّ العالمین۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۹ [2] ایضاً [3] عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص۲۴۵ [4] التحریر جلد ۲ ص۲۹

ترجمہ. اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حاکم شرع حقیقۃً اللہ رب العالمین ہی ہے۔
علامہ شعرانی (۹۷۲ھ) لکھتے ہیں :-

ونحن نعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ فانه صلی الله علیه وسلم مبلغ عن الله احكامه فيما اراد الله تعالیٰ لا ينطق قط عن هوی نفسه[1]

ترجمہ. ہم جانتے ہیں کہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی دخل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام پہنچانے والے تھے جیسا کہ اللہ نے چاہا آپ اپنی خواہش نفس سے کبھی کلام نہ فرماتے تھے.

اس سے پتہ چلا کہ آپ نے دین کی جو بات بھی اپنی طرف سے کہی وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت میں کہی.
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

حاکم بشرائع واحکام خدا تعالیٰ است وحکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آن احکام اند[2]

ترجمہ. شرائع اور احکام کا حکم کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور اس کا حکم قدیم ہے انبیاء کرام صرف ان احکام کے پہنچانے والے ہیں.
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:-

ان التحليل والتحريم .... من صفات الله تعالیٰ واما نسبة التحليل والتحريم الى النبي صلى الله عليه وسلم فمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله وتحريمه.[3]

ترجمہ کسی چیز کو حلال کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحلیل اور تحریم کی نسبت بایں معنی ہے کہ آپ کا کہنا اللہ تعالیٰ کی تحریم و تحلیل کی قطعی دلیل ہے.

---

[1] الیواقیت جلد ۲ صفحہ ۴۲ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۲ صفحہ ۱۷۸ [3] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۹۴

(۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

مذہب صحیح آں است کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبرنمے باشد زیرا کہ منصب پیغمبری منصب رسالت وایلچی گری است نہ نیابت خدا و شرکت درخانہ خدائی . . . . بس از طرف خود اختیار ندارد[1]

ترجمہ: صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت کے امور پیغمبر کو تفویض نہیں ہوئے منصب پیغمبری منصب رسالت اور سفارت ہے خدا کی نیابت نہیں نہ یہ اس کے کاموں میں شرکت ہے . . . پیغمبر اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتے ۔

یہ دس غور طلب امور ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں . اب ان دس احادیث پر بھی کچھ غور کرلیں . ان پر ایمان رکھنے والا شخص کیا کسی پہلو سے بھی حضور خاتم النبیین کو مختار کل مان سکتا ہے ؟ یہ صرف اللہ رب العزت کی شان ہے جو ہر چیز کا مالک ہے وہ جو چاہے کرے کلی اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں .

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے . بچوں کے لیے نہایت شفیق تھے . آپ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا . اس نے کہا ہم تو اپنے بچوں سے پیار نہیں کرتے . آپ نے فرمایا :-

اوا ملک لک ان نزع اللہ من قلبک الرحمۃ .[2]

ترجمہ: میں کیا کر سکتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے نرمی نکال دی ہے .

یعنی دل میں سختی اور نرمی پیدا کرنا خدا کا کام ہے . اگر اللہ رب العزت نے تیرے دل میں نرمی نہیں رکھی تو میں کیا کر سکتا ہوں . اس نہ کر سکنے کے لیے آپ نے جو الفاظ

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۳۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸۷ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ عن عائشہ رض

استعمال فرمائے وہ ہیں اواملک لک جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کیا میں تیرے لیے کس چیز کا مالک ہوں ؟ میرے اختیار میں نہیں کہ تیرے دل میں بچوں کے لیے شفقت ڈال دوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہی خلاف فیصلہ کر رکھا ہو۔

(۳) صحابہ کرامؓ ایک دفعہ جہاد کے لیے نکلے لیکن مالِ غنیمت نہ پاسکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں سے ان کی بے کسی کا اندازہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی :-

اللّٰھم لا تکلھم الیّ فاضعف عنھم ولا تکلھم الیٰ انفسھم فیعجزوا عنھا ولا تکلھم الی الناس فیستاثروا علیھم۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! انہیں میرے سپرد نہ کرنا کہ میں ان کی ضرورت پوری کرنے میں کمزور رہ جاؤں نہ انہیں خود ان کے سپرد نہ کرنا یہ خود اپنی ضرورتیں پوری نہ کر سکیں گے انہیں دوسرے لوگوں کے بھی سپرد نہ کرنا کہ وہ اپنا پیٹ بھریں اور ان کو چھوڑ جائیں۔

اس حدیث سے پتہ چلا آپ ہرگز ان کے نفع وضرر کے مالک نہ تھے ورنہ اپنی کمزوری کا اظہار نہ فرماتے۔ ہر کمزوری اور ضرورت سے بالا صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ بشری کمزوری رسالت کے حق میں کوئی عیب نہیں ہے۔

(۴) تعدد ازواج میں انسان اس کا مکلف ہے کہ سب بیویوں سے یکساں سلوک کرے۔ محبت اور میلان طبع وہ امور ہیں جن پر انسان کا اپنا بس نہیں چلتا۔ اس پہلو سے اگر کسی بیوی کی طرف زیادہ میلان ہو لیکن ضابطے میں کوئی فرق واقع نہ ہو

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۷۱

تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج مطہرات میں برابری کرتے. پھر اگر کسی قصور کا گمان ہوتا تو اللہ رب العزت کے حضور عرض کرتے:

اللّٰھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک[1]

ترجمہ: اے اللہ! یہ میرا برابر کا معاملہ ان امور میں ہے جو میرے بس میں ہیں مجھ پر ان امور میں مواخذہ نہ کرنا جن کا تو مالک ہے اور مجھے ان کا اختیار نہیں۔

اگر آپ مختار کل ہوتے تو کیوں کر کوئی ایسا دائرہ تجویز کرتے جس میں آپ اپنے اختیار کی اس طرح نفی کرتے فیما تملک ولا املک.

(۴) تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے. شفاعت اور سفارش کون کرتا ہے؟ فیصلہ جس کے اختیار میں نہ ہو۔ اگر عقیدہ شفاعت رکھا جائے تو عقیدہ مختار کل قائم نہیں رہ سکتا اور عقیدہ آپ کے مختار کل ہونے کا ہو تو شفاعت کا انکار لازم آتا ہے ـــ

اور یہ شفاعت بھی اذن الٰہی سے ہوگی. آپ اللہ تعالیٰ سے بلا اذن سفارش بھی نہ کر سکیں گے ـــ آپ کہیں گے اے اللہ! مجھے ان سب کے بارے میں شفاعت کی اجازت دے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے والے تھے. حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا. اس پر اللہ تعالیٰ مجھے کہیں گے:۔

لیس ذٰلک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منھا من قال لا الٰہ الا اللّٰہ متفق علیہ[2]

ترجمہ: یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے مجھے اپنے عز وجل کی قسم ـــ اور اپنی بڑائی اور عظمت کی قسم ـــ میں جہنم سے ان سب کو نکال لوں گا ـــ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۸، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۹ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۹

جو میری وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ کہتے رہے۔

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری لیس ذلک لک (یہ کام آپ کا نہیں) کے تحت لکھتے ہیں :-

قال ای اللہ تعالیٰ لیس ذلک لک ای لیس ھذا لک وانما افعل ذلک تعظیما لاسمی واجلالاً لتوحیدی قال شارح من علمائنا المحققین المعنی لیس اخراج من قال لا الٰہ الا اللہ من النار لک ای الیک یعنی مفوضاً الیک وان کان لک فیھم مکان الشفاعة اولسنا نفعل ذلک لاجلک بل لانا احقاء بانا نفعله کرماً وتفضیلاً۔ لہ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا یہ آپ کے لیے نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آگ سے نکالنا آپ کے لیے نہیں میں ایسا کروں گا اپنے نام کی عظمت کے لیے اور اپنی وحدانیت کے اجلال کے طور پر ہمارے علماء محققین میں ایک شارح کہتے ہیں ان گنہگاروں کو آگ سے نکالنا آپ کی سپرداری میں نہیں نہ یہ کام آپ کو تفویض کیا گیا ہے اگرچہ آپ کو ان کے بارے میں سفارش کرنے کا حق ہے ہم انہیں آگ سے آپ کے واسطے نہیں نکال رہے بلکہ اس لیے کہ ہم اپنے کرم و فضل سے اس کا حق رکھتے ہیں۔

(۵) ربیعہ بن کعب اسلمیؓ کہتے ہیں میں رات آنحضرتؐ کے پاس ہوتا تھا وضو وغیرہ

لہ مرقات جلد ۱۰ ص ۲۸۳

کا پانی پیش کرتا اور آپ کی خدمت بجالاتا۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا جناب کی جنت میں مرافقت چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کچھ اور بھی میں نے کہا یہی مانگتا ہوں ۔ آپ نے پھر کیا فرمایا :۔

قال فاعنی علیٰ نفسک بکثرۃ السجود[1]

ترجمہ۔ آپ نے فرمایا تو اپنے بارے میں میری سجدوں کی کثرت سے مدد کر۔ یعنی میں جب تیرے لیے اللہ رب العزت سے یہ مقام مانگوں تو تیرے سجدوں کی کثرت سے میری دعا شرف قبولیت پالے۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ مختار کل نہ تھے ورنہ کہہ دیتے "میں نے یہ مقام تجھے دیا" اس کی بجائے آپ نے فرمایا تو اس میں میری مدد کر سجدوں کی کثرت سے ۔ مجھ سے یہ تیرا سوال کرنا کافی نہیں دینے والا خدا ہے تو سجدوں کا وسیلہ ساتھ لائے تو یہ میری دعا قبولیت پالے گی۔

ملا علی قاریؒ فاعنی علیٰ نفسک کے تحت لکھتے ہیں :۔

ای کن لی عوناً فی اصلاح نفسک لما تطلب بکثرۃ السجود فی الدنیا حتی ترافقنی فی العقبیٰ قال ابن الملک وفیہ اشارۃ الی ان ھذہ المرتبۃ العالیۃ لا تحصل بمجرد السجود بل بہ مع دعائہ علیہ السلام لہ ایاھا من اللہ تعالیٰ۔[2]

ترجمہ۔ تو اپنی اصلاح میں اپنا مطلوب پانے میں میرے لیے مددگار ہو جا دنیا میں کثرت سجود کی محنت سے یہاں تک کہ آخرت میں تو میرا ساتھی ہو سکے ابن ملک کہتے ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بلند مقام صرف سجدوں سے ملنے کا نہیں بلکہ ان کے ساتھ آپ کی دعا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۹۳ مشکوٰۃ ص ۸۴ [2] مرقات جلد ۲ ص ۲۲۳

بھی ہو گی اللہ کے حضور۔

اس سے واضح ہوا کہ آنحضرتؐ بھی ربیعہ کے لیے یہ مرتبہ عالیہ خدا سے مانگیں گے خود انہیں یہ مرتبہ دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں گے۔ دعا اور شفاعت کا یہ عقیدہ آپ کے مختار کل ہونے کی کھلی نفی کرتا ہے۔

امام احمد کی روایت میں حضرت ربیعہ کی استدعا جن الفاظ میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضورؐ سے اللہ کے ہاں سفارش کرنے کی گذارش کر رہے تھے نہ کہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ مجھے جنت میں اپنے ساتھ رکھیں۔

یارسولی اسأل ان تشفع لی الیٰ ربک فیعتقنی من النار[1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے رسول! میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ آپ اپنے رب کے حضور میری شفاعت فرمائیں تاکہ وہ مجھے آگ سے آزاد کرے۔

اب آپ ہی غور کریں ایسی استدعا کرنے والا کیا آپ کے بارے میں مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھ سکتا ہے۔

⑤ حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کچھ انصار حضورؐ کی خدمت میں سوال کے لیے حاضر ہوئے حضورؐ نے انہیں مال دیا۔ انہوں نے پھر آپ سے سوال کیا آپ نے اور دیا یہاں تک کہ حضورؐ کے پاس جو مال جمع تھا سب لگ گیا۔

ان اناسا من الانصار سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعطاھم حتی نفد ما عندہ فقال ما یکون عندی من خیر فلن ادخرہ عنکم ومن یستعف یعفہ اللہ ومن یستغن یغنہ اللہ ومن یتصبر یصبرہ اللہ۔[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۵ صـ۲۳۵ [2] صحیح بخاری جلد ا صـ۱۹۸

ترجمہ۔ کچھ انصار آپ کی خدمت میں آتے اور آپ کے سے کچھ مانگا آپ
نے انہیں کچھ مال دیا۔ یہاں تک کہ جو آپ کے پاس تھا سب ختم ہو
گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا میرے پاس جو کچھ بھی ہوگا میں تم سے روکوں
گا نہیں اور جو مانگنے سے بچے اللہ تعالیٰ اسے بچنا نصیب فرمائیں گے
اور جو استغناء چاہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیں گے اور جو صبر سے
کام لے اللہ تعالیٰ اسے صابرین میں لے آئیں گے۔

(۷) ایک سائل آپ کی خدمت میں کچھ مانگنے آیا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا۔ لا اجد ما اعطيك (میرے پاس کچھ نہیں جو میں تجھے دوں) وہ کچھ بگڑا اور کہا میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے؟ اوروں کو تو خالی نہیں بھیجتے۔ آپ کہنے لگے:-

يغضب علىّ ان لا اجد ما اعطيه۔[1]

ترجمہ۔ یہ مجھ پر یونہی غصہ ہو رہا ہے کہ میرے پاس اسے دینے کے
لیے کیوں کچھ نہیں ہے۔

ایک سوال

آنحضرتؐ فرماتے ہیں اعطيت مفاتح خزائن الارض جب آپ زمین کے تمام خزانوں کے مالک تھے تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ لا اجد ما اعطيه — میرے پاس کچھ نہیں جو اسے دوں؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ متکلم دو طرح کا ہے:-

---

[1] سنن نسائی، جلد ا صـ

۱. کبھی تو اس سے آپ کی اپنی ذات مراد ہوتی ہے اور کبھی
۲. آپ لشمول امت وہ بات کہتے ہیں مثلاً

آپ نے فرمایا۔ اعطیت جوامع الکلم۔ اس میں آپ کی ذات مراد ہے لیکن آپ نے جب فرمایا:۔

احلت لی الغنائم
میرے لیے غنیمتیں حلال ٹھہرائی گئیں۔
جعلت لی الارض مسجداً او طھوراً۔
پوری زمین میرے لیے سجدے کے لائق کی گئی۔

تو اس میں پوری امت آپ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح جب آپ نے فرمایا مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو اس سے مراد یہ تھی کہ آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہوگی اور دنیا کی شوکت انہی کے پاس ہوگی۔ امام نووی (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:۔

معناہ الاخبار بان امتہ تملک خزائن الارض وقد وقع ذلک۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث سے مراد یہ خبر ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک بنے گی اور ایسا ہو کر رہا۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:۔

واعطانی الکنزین الاحمر والابیض وان امتی سیبلغ ما زوی لی منہا۔[2]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے سونا اور چاندی دونوں خزانے مجھے دیئے اور بے شک میری امت زمین میں وہاں تک پہنچے گی جو جگہ میرے لیے لپیٹ دی گئی۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [2] مستدرک جلد ۴ صفحہ ۴۴۹

سو آپ کے اس صیغہ متکلم میں اور لا اجد ما اعطیہ کے صیغہ متکلم میں ایک اصولی فرق ہے لہذا ہر دو میں کوئی تعارض نہیں۔

آپ کے اس پیرایہ بیان کی نظیر قرآن پاک میں بھی ہے جنگ تبوک میں آپ کے چند صحابہؓ اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ آپ کے پاس انہیں دینے کے لیے سواری نہ تھی۔ آپ نے انہیں کہا

لا اجد ما احملکم علیہ۔ (پ۱۰ التوبہ ۹۲ ع۱۲)

ترجمہ۔ میرے پاس سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرا سکوں۔

(۸) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے ایک خطبہ میں مال غنیمت میں چوری کی بہت اہمیت بیان فرمائی اور فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے مختلف لوگ طرح طرح کے چوری کیے اموال کندھوں پر اٹھائے حاضر ہوں گے اور میرے سامنے فریاد کریں گے کہ ہمیں بچالیں میں کہوں گا :۔

ترجمہ۔ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں نے جو خدا کی بات تھی تم تک پہنچادی تھی۔

ان صحیح احادیث کا ماننے والا اور ان بیانات میں حضورؐ کو سچا جاننے والا کیا کبھی آپ کے مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھ سکتا ہے؟

(۹) آپ نے ایک دفعہ اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے کہا :۔

لہ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۳۲ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۲

یا عباس ابن عبد المطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئا یا صفیہ عمۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنک من اللہ شیئا یا فاطمۃ
سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئا [1]

ترجمہ۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا اے رسول برحق کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا اے میری بیٹی فاطمہ! مجھ سے میرا مال جو تو چاہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے ہاں میں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سوار تھے آپ نے انہیں فرمایا۔

اعلم ان الامۃ لو اجتمعت ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء
قد کتبہ اللہ لک [2]

ترجمہ۔ جان لو اگر سب لوگ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نفع پہنچائیں نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہو۔

امام ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ :-

یہاں لوگوں میں انبیاء اولیاء سب داخل ہیں وہ تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دیا ہو۔ [3]

ایک بریلوی عذر اور اس کا جواب

ایک بریلوی مولوی صاحب نے کہا۔ عیسائیوں کے سامنے ہمارا یہ کہنا کہ حضورؐ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۳ [3] مرقات جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۴

مختارِ کل نہ تھے مناسب نہیں ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ کو خداوند یسوع مسیح اور تمام قدرتوں کا مالک کہیں اور ہم کہیں ہمارے حضرت کو تکوین میں کچھ بھی خدائی اختیارات نہ تھے تو کیا اس میں حضورؐ کی بے ادبی نہیں ؟

الجواب :

جہاں ہم حضورؐ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ مختارِ کل نہ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ آپ بھی مختارِ کل نہ تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے تھے اور یہی آپ کا بلند مقام عبدیت تھا۔ اللہ رب العزت کے حضور آپ کی ایک صدا ملاحظہ فرمائیں :-

اللّٰھم اصبحت لا املك لنفسی ما ارجو ولا استطیع عنہا دفع ما اکرہ واصبح الخیر بید غیری ـــــ واصبحت مرتھناً بما کسبت فلا فقیر افقر منی فلا تجعل مصیبتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر ھمی ولا تسلط علی من لا یرحمنی [۱]

ترجمہ۔ اے اللہ! میں اس طرح پر ہوں کہ اپنے لیے جو چاہوں اس کی مقدرت نہیں رکھتا اور نہ اپنے آپ سے اس مضرت کو دور کر سکتا ہوں جسے نہ چاہوں اور بھلائی میرے غیر کے ہاتھ میں چلی آئی اور میں اپنے کاموں میں گرفتار رہا۔ مجھ سے زیادہ تیرا کوئی محتاج نہیں میری کوئی مصیبت میرے دین میں نہ آئے اور نہ دنیا کو میری سب سے بڑی فکر بنانا اور مجھ پر انہیں غلبہ نہ دینا جو مجھ پر رحم نہ کھائیں۔

حضرت عیسیٰ کی یہ فریاد ان کی شان میں کسی کمی کی مظہر نہیں بلکہ یہ ان کے کمال عبودیت کا ایک دلآویز نقشہ ہے۔

---

[۱] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۷ صد ۲۶

عقیدہ مُختارِ کُل کی بریلوی وُسعت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

بریلویوں کے ہاں عقیدہ مختار کل کی وسعت کہاں تک ہے۔ ان کے ہاں یہ تکوینی امور اور تشریعی امور دونوں کو شامل ہے۔ تکوینی امور میں یہ یہاں تک آگے گئے ہیں کہ حضورؐ کو کن مکن کے سارے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تقدیر کے سارے فیصلے حضورؐ ہی کرتے ہیں چاروں سمتوں میں ان کا عقیدہ مختار کل وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ بے اولاد کو اولاد دینا ــــ بے روزگار کو روزگار دینا ــــ محتاج کو رزق دینا ــــ بیمار کو شفا دینا ــــ نرینہ اولاد کے طالب کو لڑکا دینا ــــ کسی کو لمبی اور کسی کو چھوٹی عمر دینا ــــ زمین کا سکون اور زلزلہ ــــ آفتاب و ماہتاب کا طلوع و غروب ــــ بارش برسانا اور کھیتوں کو اگانا ان سب کاموں پر حضورؐ مختار کل اور اللہ کی قدرتوں کے مظہر ہیں۔

تشریعی امور بھی سب آپ کے اختیار میں ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر آتے ہیں کہ ان کے عقیدے میں آپ جسے چاہیں نمازیں معاف کر دیں اور جسے چاہیں روزے معاف کر دیں۔ خدا تعالیٰ کوئی حکم دیں اس میں آپ جس کو چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔ المختصر حرام و حلال پر بس آپ کا قبضہ ہے جسے چاہیں اور جس کے لیے چاہیں کسی چیز کو حرام کر دیں اور جسے چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اسے حلال کر دیں۔ (استغفر اللہ)

یہاں تک کہ اپنے سارے اختیارات تکوینی امور سے متعلق ہوں یا تشریعی امور سے متعلق جس کو دینا چاہیں دے دیں اور جہاں چاہیں احد و احمد کے فاصلے ختم کر کے ختم کی تاریخ رکھ دیں۔

بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل قرار دیتے

ہوئے لکھتے ہیں :۔

حضور ہر قسم کی حاجت روائی کر سکتے ہیں. دنیا اور آخرت کی مرادیں
حضور کے اختیار میں ہیں[1]

پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو مختار کل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[2]

مولانا محمد عمر اچھروی احد اور احمد کا فاصلہ اس طرح ختم کرتے ہیں :۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے. کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی تو احد اور احمد میں کیا فرق رہا.[3]

رسولوں کا وجود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے. اس عقیدے کو بریلوی کفر سمجھتے ہیں. آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

رسولوں کو غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے فتوے کفر اس طرح ارشاد فرمایا۔ کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان ایک غیریت کا قائل ہے.[4]

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں اور اہل سنت والجماعت میں اس مسئلے میں اختلاف کی خلیج وسیع ہو چکی ہے. سو اس پر کتاب و سنت کی روشنی میں مستقل طور پر بحث کرنے کی ضرورت ہے. اب ہم اس موضوع پر بریلویوں کے دلائل کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی صحیح تفہیم بھی کراتے ہیں اس سے اہل السنۃ والجماعۃ کی اپنی بات کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی.

---

[1] برکات الامداد ص۸ [2] حدائق جلد ۲ ص۵ [3] مقیاس حنفیۃ ص۲۳۲ [4] ایضاً

تشریعی امور اور تکوینی امور

تشریعی امور کا تعلق قانون اور عمل سے ہے شرائع مختلف پیغمبروں کے وقت مختلف رہی ہیں احکام کی یہ تبدیلی تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کن کہہ کر جہاں بنانا صرف اللہ کی شان تکوین ہے۔

تکوینی امور میں حضورؐ کو مختار کل قرار دینے کے بریلوی دلائل

(۱) وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا۔ (پ۲۸ الحشر ع۱)
ترجمہ۔ اور جو چیز تمہیں رسول پاک دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

بریلوی استدلال

رسول ہی دینے والے ہیں اور وہی روکنے والے ہیں تمہیں جو کچھ مل رہا ہے حضورؐ سے ہی مل رہا ہے وہ دنیوی دولت ہو یا دینی ——— تمہارا رزق زندگی اور تندرستی اور اولاد سب آپ کے ہاتھ میں ہے جو دیں لے لو۔

الجواب:

یہاں اتاکم میں دنیا بمقابلہ نھاکم (منع کرنا) ہے۔ نہی کا تعلق امور شرعیہ سے ہوتا ہے سو یہاں اتاکم بمعنی امرتکم (جس چیز کا تمہیں امر کروں) ہے سو اس کا تکوینی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے

آنحضرتؐ نے خود اس مضمون کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

ما نهيتكم عنه فاجتنبوه وما امرتكم به فافعلوا ما استطعتم۔[۱]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۲، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

ترجمہ: جس چیز سے میں نے تمہیں روکا ہے اس سے بچو اور جس چیز کا میں نے تمہیں امر کیا ہے اس پر اپنی استطاعت تک عمل کرو۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا :-

فاذا امرتکم بشیء فخذوہ منہ ما استطعتم واذا نھیتکم عن شیء فانتھوا۔[1]

ترجمہ: سو جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے اپنے ذمہ لو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم ترک جاؤ۔

(۲) ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۶ ع ۲)

ترجمہ: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنی طرف سے اس سے بچنے کا کوئی اختیار رہے۔

بریلوی استدلال

قضا و قدر کے فیصلے اللہ اور رسول دونوں کرتے ہیں۔

الجواب :

رسول خدا کے فیصلے کو بیان کرنے والے ہیں خود فیصلہ کرنے والے نہیں

ان قضاء رسول اللہ ھو قضاءہ لان قضاء الرسول بامر اللہ و وحیہ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص [2] تفسیر اکلیل جلد ۲ ص ۲۵

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو۔ کیونکہ رسول کا فیصلہ اللہ کے امر اور اس کی وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور آپ کبھی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ وحی خداوندی ہے جو آپ کی طرف آرہی ہے۔

(۳) ولو انھم رضوا ما اتٰھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ۔ (پ التوبہ۹ ع ۷)

ترجمہ۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اس پر جو دیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اور کہہ دے کافی ہے ہم کو اللہ۔ وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیئے

بریلوی استدلال

دینے والے اللہ اور اس کے رسول دونوں ہیں اور آئندہ بھی جو ملے گا وہ بھی اللہ اور اس کا رسول ہی دیں گے[1]

الجواب :

یہاں صدقات اور غنیمت کے اموال کی تقسیم مراد ہے ظاہر ہے کہ اس میں اللہ کے رسول جو فیصلہ فرمائیں وہ الہٰی فیصلے کے مطابق ہی تو ہوگا۔ مومن کا کام اس پر راضی ہونا ہے ـــــ اس آیت میں رزق کی تکوینی تقسیم ہرگز مراد نہیں ہے۔

(۴) وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔ (پ التوبہ ۴)

ترجمہ اور یہ سب کچھ اس کا بدلہ تھا کہ دولت مند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کرلیں تو بھلا ہے ان کے حق میں۔

---

[1] دیکھئے نور ہدایت ص۷۶

بریلوی استدلال

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول بھی محتاج کو غنی کر سکتے ہیں۔

الجواب:

آنحضرتؐ ان کے غنی ہونے میں بے شک ایک ذریعہ اور سبب ہوئے لیکن انہیں (ان محتاجوں کو) غنی کرنے والا حقیقت میں صرف اللہ رب العزت ہے۔ آپ ان کے اس غنا کا ذریعہ اور سبب ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک حدیث میں اس کی وضاحت فرمادی۔ آپ نے فرمایا:۔

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالاً فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۰)

ترجمہ اے گروہ انصار کیا میں نے تمہیں راہ گم کیے نہ پایا پھر اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت دی اور تم علیحدہ علیحدہ بکھرے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ جوڑ دیا اور تم سب محتاج رہ گئے تھے اللہ نے تمہیں میرے سبب سے غنی کر دیا۔

⑤ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین۔ (پ ۱۰ التوبہ ۶۲ ع ۸)

ترجمہ۔ اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعی مومن ہیں۔

بریلوی استدلال

احق ان یرضوہ میں مفرد کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع ہے معلوم ہوا۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ سو اگر حضور کو مختارِ کل نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ بھی مختارِ کل نہیں کیونکہ حقیقۃً تو وہ دونوں ایک ہیں۔ ان میں فرق دیوبندی کرتے ہیں۔

الجواب :

اس آیت میں موضوع رضائے الٰہی ہے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا ایک ہے. قرآن کریم میں ہے. قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پ آل عمران)
اس لیے حضورؐ کی اطاعت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت بھی ساتھ کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں. حافظ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں :-

لان رضا اللہ ینتظم رضا الرسول اذ کل مارضی اللہ فقد رضیہ الرسول فترك ضمیر الرسول لدلالة الحال علیه وقیل ان اسم اللہ تعالٰی لا یجمع مع اسم غیرہ فی الکنایة تعظیما بافراد الذکر[1]

ترجمہ کیونکہ اللہ کی رضا رسول کی رضا کو شامل ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس سے اللہ راضی ہو اس سے رسول بھی بے شک راضی ہوگا. سو رسول کے لیے علیحدہ ضمیر نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ صورتِ حال اسے واضح کر رہی ہے اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اللہ کا نام کسی دوسرے نام کے ساتھ کنایہ میں جمع نہیں ہو پاتا تا تعظیماً صرف اسی کا نام ذکر کیا جائے.

حضورؐ کو مختار کل قرار دینے کے حدیثی دلائل

(۱) آنحضرتؐ نے فرمایا. انما انا قاسم و اللہ یعطی. (مشکوٰۃ ص۳۲)

بریلوی استدلال

پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ رسول کریم کی تقسیم سے ہی ملتا ہے. یہاں یعطی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر

---

[1] احکام القرآن جلد ۴ ص ۳۴۵

چیز کے دینے والے ہیں جس چیز کا دینے والا خدا ہے اس کی تقسیم
کرنے والے رسول کریم ہیں۔[1]

الجواب :

محدثین نے اس حدیث کو کتاب العلم میں بیان کیا یا باب الغنائم میں۔ کسی محدث نے اس کو عام نہیں رکھا کہ جو چیز بھی اللہ عطا کرے اس کے تقسیم کرنے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔ اس حدیث کا پہلا جملہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اس طرح ہے :-

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جس شخص سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی فقہ عطا فرماتے ہیں اور میں تو بانٹنے والا ہوں دینے والی تو اُسی کی ذات ہے۔

گو یہاں یعطی کا مفعول مذکور نہیں مگر قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں علم کی تقسیم مراد ہے غنائم کی تقسیم حضورؐ فرماتے تھے تو اس میں بھی اس عقیدہ کی توثیق فرماتے کہ دینے والا اللہ رب العزت ہے۔ کسی شارح حدیث نے اس حدیث سے پوری زمین کے خزانے مراد نہیں لیے اور نہ اس سے مختار کل کا عقیدہ اخذ کیا ہے۔ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ انما انا قاسم میں رزق کی تقسیم اور اولاد کی عطا بھی مراد ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ (پ۲۵ الزخرف ۳۲)

ترجمہ۔ ہم نے تقسیم کیا ہے ان میں ان کا رزق دنیا میں۔

---

[1] اربعین نبویہ ص۲۵ مولانا محمد شریف کوٹلوی مقیاس حنفیت ص۲۰۱

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم وان اللہ یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الایمان الا من یحب[1]

ترجمہ بے شک اللہ نے تم میں تمہارے اخلاق بانٹے جس طرح اس نے تمہارے لیے ارزاق بانٹے اللہ دنیا اسے بھی دیتا ہے جسے وہ پسند کرے اور اسے بھی جسے وہ ناپسند کرے اور ایمان وہ اسے ہی دیتا ہے دیتا ہے جسے وہ پسند کرے

قرآن کریم کی قطعی آیات کے خلاف کسی خبر واحد میں وسعت پیدا کرنا بالخصوص جب کہ اس کے خلاف صریح حدیث بھی موجود ہو ہرگز جائز نہیں. مولانا محمد شریف کوٹلوی صاحب کا اصرار کہ یعطی کا مفعول مذکور نہیں اس لیے ہر چیز تقسیم کرنے والے آپ ہی ہیں. اس آیت اور اس حدیث کے صریح خلاف ہے. مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

عمومات آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے[2]

نواب قطب الدین خاں حدیث انما انا قاسم واللہ یعطی کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:۔

یعنی میں حدیث وغیرہ بیان کر دیتا ہوں (یہ علم کی تقسیم ہے) سمجھ اور فکر اور عمل اس پر جتنا باری تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے[3]

(۲) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض.[3]

ترجمہ مجھے زمین کے خزانوں کی یا زمین کی چابیاں دی گئیں.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات استعارۃً بیان فرمائی (یہ معنی کہ یہ بات میری

---

[1] مشکوٰۃ صـ۴۲۵ [2] دیکھیے الفیوض الملکیہ صـ۵۲ [3] مظاہر حق جلد ۱ صـ۸۷

امت پر پوری ہوگی) یا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے یہ چابیاں دی گئیں ؟

یہ دوسری صورت ہو تو یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔ (پ الانعام ۵۰ ع ۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں اس بات کا مدعی نہیں کہ خزانے میرے پاس ہیں۔

سو حدیث مذکورہ بالا حضورؐ کے حق میں بتاویل آیت ہے اور اس سے مراد اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ حضورؐ کی امت کے ہاتھوں پر یہ فتح بلاد واقع ہوگی علامہ عزیزی شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں :۔

استعارۃً لوعد اللہ بفتح البلاد۔[1]

فتح بلاد کو بطور استعارہ چابیاں دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

معناہ الاخبار بان امتہ تملک خزائن الارض۔[2]

ترجمہ۔ اس کا مطلب اس بات کی خبر دینا ہے کہ آپ کی امت آئندہ دنیا کے خزانوں کی مالک ہوگی۔

(۳) آنحضرتؐ نے دعا کی اور سورج غروب کے بعد پیچھے لوٹ آیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز وقتاً ادا کر لی۔ اس حدیث کو امام طحاوی نے مشکل الآثار جلد ۲ ص ۸ پر روایت کیا ہے اور جب مجتہد کسی حدیث کو روایت کرے اور اس سے احتجاج کرے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے۔

الجواب :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے الفاظ یہ ہیں :۔

انہ فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس[3]

---

[1] السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۴۷ [2] شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۱ [3] الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۲ ص ۸۲

ترجمہ۔ اے اللہ! علی بے شک تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں
لگا رہا ہے تو اس پہ سورج کو لوٹا دے۔

اس دعا پہ اگر سورج لوٹا تو اسے کس نے لوٹایا ہے؟ اللہ رب العزت نے
تو اس سے حضورؐ کے مختار کل ہونے کا مسئلہ کیسے طے ہوگیا۔ افسوس! بریلوی علماء
اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی قدرت سے سورج کو لوٹایا اور یہ
تبھی ہو سکتا ہے کہ آپ مختار کل ہوں۔۔۔ حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ صریح طور پر بریلویوں
کے اس عقیدے کی تردید کر رہے ہیں۔

(۲) حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں اثبات عقیدہ کی قوت نہیں ہوتی اور یہ حدیث تو کسی
سند سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:-

وحديث رد الشمس لقد ذكره طائفة كالطحاوى والقاضى عياض
وغيرهما وعدوا ذلك من معجزات النبى صلى الله عليه وسلم لكن
المحققون من اهل العلم والمعرفة بالحديث يعلمون ان هذا الحديث
كذب موضوع كما ذكره ابن الجوزى فى الموضوعات۔ [۱]

ترجمہ۔ اور یہ حدیث کہ سورج آپ کے لیے واپس لایا گیا اسے علماء کے ایک گروہ نے جیسے
امام طحاوی اور قاضی عیاض اور کئی اور نے ذکر کیا ہے ان سب نے اسے حضورؐ کے معجزات میں ذکر
کیا ہے لیکن علم اور معرفت حدیث رکھنے والے محققین جانتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے
ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

سورج کا یہ واپس لوٹنا معجزات میں سے ہو تو اس سے یہ فعل خداوندی ٹھہرتا ہے نہ کہ حضورؐ کا عمل ہو اگر
یہ روایت کسی درجہ میں لائق قبول بھی ہو تو اس میں عقیدہ مختار کل کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب بیمار ہوئے آپ نے انہیں صحت دی

---

[۱] منہاج السنۃ جلد ۸ صـ۱۱۵

اس پر ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا :-

ان ربّك ليطيعك [1] (آپ کا رب آپ کی بات مانتا ہے)

اس روایت سے بھی مولانا محمد شریف کوٹلوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے پر استدلال کیا ہے ؟

الجواب :-

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ابوطالب کو صحت دی تھی تو اس سے یہ بات کیسے نکل آئی کہ بے شک آپ کا رب بھی آپ کی اطاعت کرتا ہے ؟ معلوم ہوتا ہے حضورؐ نے یہ کام اللہ ہی سے کہا تھا کہ وہ ابوطالب کو صحت دے --- اور اگر صحت دینے والا اللہ ہی ٹھہرا تو حضورؐ صحت دینے والے کیسے ٹھہرے اور آپ کا مختار کل ہونا کیسے ثابت ہوگیا۔

ثانیاً اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیثم بن حجاز ہے۔ محدثین اس سے روایت نہیں لیتے یہ ان کے ہاں متروک ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے [2] اس کی روایت درست نہیں ہے۔

ثالثاً اخبار احاد صحیح بھی ہوں تو ان سے عقیدے ثابت نہیں ہوتے۔ عقائد کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے روایات ظنیہ اس کے لیے کافی نہیں۔

⑤

جو شخص مجھے ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان اور شرمگاہ کو قابو میں رکھے گا میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

الجواب :

---

[1] مستدرک [illegible] ۱ ص۳۴۲ [2] دیکھیے لسان المیزان جلد ۶ ص۲۵

ضامن اور حاکم میں فرق ہے۔ یہاں عدالتوں میں ضامن اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ ملزم کو عدالت میں پیش کرنے کی ذمہ داری لے اور اس کی ضمانت دے فیصلہ آگے حاکم کے ہاتھ میں ہوتا ہے نماز کا امام بھی ضامن ہوتا ہے۔۔۔ حدیث مذکورہ میں جس ضمانت کا بیان ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری پر لی یا اللہ کے وعدے پر کہ جو اپنے اعمال کو اس درجہ نیک بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائیں گے۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر یہ ضمانت دی کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ پہ قابو رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت پالے گا۔

ضامن ہونے سے اگر مالک ہونا مراد ہو تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب کچھ لوگوں کو ایک مقرر گنتی سے، اجتماعی طور پر وظائف پڑھتے پایا اور فرمایا اسے چھوڑ دو اور اپنے گناہوں کو گن گن کر یاد کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ہرگز ضائع نہ ہوں گی تم ان کا صلہ پاکر رہو گے اور جنت جاکر رہو گے۔ تو کیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ضامن ہونے سے ان کا مختارِ کل ہونا ثابت ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا :-

فعدوا من سیئاتکم فانا ضامن ان لایضیع من حسناتکم شیء[1]

تم اپنے گناہ شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں سے کچھ ضائع نہ ہونے پائے گا۔

بریلوی ان پانچ احادیث سے تکوینی امور میں حضورؐ کو مختار کل ثابت کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اگر احادیث صحیح بھی ہوں اور ان کی دلالت بھی اپنے مدعا پر واضح ہو تو بھی ان سے عقائد ثابت نہیں ہوتے۔ عقائد کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۶۹

اب آیئے چند ان دلائل پہ بھی نظر کریں جن سے بریلوی حضورؐ کو تشریعی امور میں مختار کل ثابت کرتے ہیں اور پھر یہ بات حضورؐ تک ہی نہیں رہتی۔ بڑے بڑے مشائخ کرام اور پیران عظام بھی اپنے مریدوں سے بہت سے تشریعی بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں۔

حضورؐ کو تشریعی اُمور میں مختارِ کُل قرار دینے کے بریلوی دلائل

دنیوی چیزوں میں تحلیل و تحریم حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں ہے:۔
یحلّ لھم الطیّبات و یحرّم علیھم الخبائث۔ (پ۹ الاعراف ۱۵۷)
ترجمہ۔ یہ نبی حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پہ ناپاک چیزوں کو اور اُتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ۔

بریلوی استدلال

جب تحریم و تحلیل حضورؐ کے ہاتھ میں ہے تو آپ جملہ تشریعی احکام میں مختارِ کل ٹھہرے جس کو چاہیں لازم ٹھہرائیں اور جو چاہیں جس سے چاہیں معاف کر دیں۔

الجواب:

اسلام میں یہ اصول طے ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ پیغمبر جس چیز کو جائز بتلائیں اسے بھی وہ خدا کی طرف سے ہی ناجائز بتلاتے ہیں۔ ــــ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔

بنی اسرائیل پر جو چیزیں حرام ہوئیں وہ تحریم الٰہی سے حرام ہوئیں۔
حرمنا علیھم۔ (پ۶ النساء ۱۶۰) میں تحریم کی نسبت خدا کی طرف ہے
اگر کوئی اپنی طرف سے کسی چیز حلال یا حرام ٹھہرائے تو یہ افترا علی اللہ ہے۔ یہ افترا علی اللہ تبھی ہو سکتا ہے کہ تحلیل و تحریم صرف اسی کے قبضے میں ہو ــ ورنہ ہماری طرف سے

کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا جس طرح افتراء علی اللہ ہوگا افتراء علی الرسول بھی ہوگا لیکن قرآن کریم نے اسے صرف افتراء علی اللہ کہا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تحلیل و تحریم صرف اسی کے اختیار میں ہے اور اس کے سوا کوئی مختار کل نہیں ہے کہ جو چاہے کرے۔ قرآن کریم میں ہے:-

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ (پ۱۴ النحل ۱۱۶)

ترجمہ۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگا رہے ہو جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اگر یحل لھم الطیبات اور یحرم علیھم الخبائث میں تحریم و تحلیل کی حقیقی نسبت مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے موقع پر کیوں فرماتے۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ (پ۲۸ التحریم)

ترجمہ۔ اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔

اور پھر حضورؐ یہ کیوں کہتے۔

وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما [1]

ترجمہ۔ اور میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام چیز کو حلال کرسکتا ہوں۔

آپ لہسن کی بُو کو ناپسند کرتے تھے اس لیے نہ کھاتے تھے ۔۔۔ کوئی یہ گمان نہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۳

کرے کہ آپ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا :۔

ایھا الناس انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی ولکنھا شجرۃ اکرہ ریحھا۔[۱]

ترجمہ :۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو چیز میرے لیے حلال کی مجھے اس کے حرام ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں لیکن یہ ایک ایسا پودا ہے کہ اس کی بُو مجھے بہت ناپسند ہے۔

حرم شریف کو حرم ٹھہرانے والا اللہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم ٹھہرایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں :۔

ان مکۃ حرمھا اللہ۔[۲]

ترجمہ۔ بے شک مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم ٹھہرایا ہے۔

اور یہ بھی صحیح حدیث میں وارد ہے :۔

انّ ابراھیم حرم مکہ ودعا لاھلھا وانی حرمت المدینۃ کما حرم ابراھیم مکۃ۔[۳]

ترجمہ۔ بے شک ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور اس کے رہنے والوں کے لیے دُعا کی اور میں نے مدینہ منورہ کو حرم ٹھہرایا جیسے ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ اسے حرم ٹھہرانے والی اللہ کی ذات ہے لیکن اس کی تحریم کا بیان حضرت ابراہیم کی زبان سے ہوا۔ مدینہ کو حرم آپ نے بتایا

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۲ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۳۷ [۳] مسلم ج ۱ ص ۴۴۰ بخاری ج ۱ ص ۲۸۶

اس کا حاصل یہ ہے :-

ان اللہ حرمہا علیٰ لسانی ۔ اصل تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔
میری زبان سے اس کی حرمت کا بیان ہوا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں :-

لان معنی قولہ ان ابراھیم حرم مکۃ اعلن بتحریمہا وعرف
النّاس بانہ حرام بتحریم اللہ ایاھا فلما لم یعرف تحریمہا الا فی
زمانہ علیٰ لسانہ اضیف الیہ۔[1]

ترجمہ حضور کے اس ارشاد کا مطلب کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا یہ ہے کہ آپ نے اس کے حرم ہونے کا اعلان کیا اور لوگوں کو بتلایا کہ یہ ارضِ حرم ہے بایں وجہ کہ اللہ نے اس کی تحریم فرمائی جب اس کا حرم ہونا آپ کے دور میں ہی کھلا تو اس اعتبار سے اس کی تحریم کی نسبت آپ کی طرف (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف) کر دی گئی۔

اسناد تحریم بابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید واعلام کرد حکم الٰہی زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است وحکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آں احکام اند۔[2]

ترجمہ اس تحریم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت اس جہت سے ہے کہ آپ نے یہ حکم خداوندی پہنچایا اور یہ لوگوں کو تبلایا کیونکہ شرائع کا فیصلہ کرنے والا اور اس کے احکام دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی کی شان قدیم ہے اور انبیاء علیہم السلام تو صرف اس کے احکام پہنچانے والے ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۹ صـ۲۲۴ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۲ صـ۲۸۱

وفی روایۃ احمد من حدیث ابن عمر ان اللہ تعالیٰ حرّم علی لسانی مابین لابتی المدینۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور امام احمد کی روایت میں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے یہ ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے اس خاص حصہ زمین کو حرم بتلایا ہے

نمازوں کی معافی کا اختیار

بریلوی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کی معافی کا بھی اختیار تھا حضرت فضیلہ بن عبیدؓ نے کہا میں دنیا کے کاموں میں زیادہ مصروف رہتا ہوں۔ شاید مجھ سے پانچ نمازوں کی حفاظت نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا دو ہی پڑھ لیا کر ــــــ صبح اور عصر کی پابندی رکھنا ــــــ

مولانا محمد شریف کوٹلوی نے سنن ابی داؤد جلد ا صلا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ آپ نے باقی تین نمازیں معاف کر دی تھیں۔ آپ نے دو نمازوں کو پوری حفاظت سے ادا کرنے کا حکم دیا اس میں آپ نے بطور معلم تربیت فرمائی کہ ان دو نمازوں کی وقت پر ادائیگی سے اسے باقی نمازوں کا ادا کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔

بطور رسول آپ کا حکم پانچ نمازوں کا ہی تھا بطور معلم آپ نے دو نمازوں کو وقت اور اداب سے ادا کرنے کی تربیت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تو صلوٰۃ وسطیٰ کی حفاظت کا زیادہ تاکید سے حکم دیا ہے۔

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ۔ (پ البقرہ ۲۳۸)

اس سے پتہ چلا کہ بعض نمازوں کی حفاظت کا زیادہ اہتمام حکم شریعت کے ہرگز منافی

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۱ صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۱

نہیں ہے۔

اس طرح وفد ثقیف مسلمان ہونے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا ہم مسلمان تو ہوتے ہیں لیکن نہ زکوٰۃ دیں گے نہ جہاد کریں گے :۔

اشترطت ان لاصدقة عليها ولا جهاد ۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نہ تو انہیں باقاعدہ عہد دیا نہ ہاں کی اور نہ نہ کی ۔ بلکہ فرمایا :۔

سيتصدقون و يجاهدون اذا اسلموا ۔[2]

ترجمہ : تم عنقریب دیکھو گے کہ یہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جہاد بھی کرتے ہیں انہیں مسلمان تو ہو لینے دو۔

یہ آپ کی معلمانہ تربیت کا ایک حکیمانہ پیرایہ ہے نہ یہ کہ آپ شریعت میں کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار رکھتے تھے ۔ حضرت بجرہ بن عامر کہتے ہیں جب ہم اسلام لائے تو حضور سے درخواست کی کہ عشاء کی نماز ہم سے معاف کر دیں اس وقت ہم اونٹنیوں کا دودھ دوہتے ہیں ۔ آپ نے حکیمانہ پیرایہ میں فرمایا :۔[3]

ترجمہ : تم دودھ بھی دوہو گے اور نمازیں بھی پڑھو گے ۔

انہوں نے جو استدعا کی تھی آپ نے اسے قبول نہ کیا اور نہ اس پر کھلے طور پر انکار کیا بریلویوں کے محدث جناب اشرف کچھوچھوی التحقیق البارع میں امام احمد کی ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ :۔

حضورؐ نے ایک شخص کو اس شرط سے مسلمان کیا کہ وہ صرف دو ہی نمازیں پڑھے گا ۔[4]

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۲ [2] البدایہ جلد ۵ صفحہ ۳۰ [3] مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۹۴ [4] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۵ صفحہ ۳۶۳

اس سے بریلوی استدلال کرتے ہیں کہ اگر آپ مختار کل نہ تھے تو آپ نے اس سے تین نمازیں کیسے معاف کر دیں۔

بریلوی مولوی پوری تندہی سے آپ کو نمازوں کی معافی کا اختیار دینا چاہتے ہیں یہ محض اس لیے ہے کہ پھر حضورؐ کے نائبین کو یہ اختیار ملے کہ وہ اپنے مریدوں سے شریعت کا بوجھ (نماز ہو یا روزے) آہستہ آہستہ اتارتے جائیں۔

؎ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[1]

یعنی یہ اختیارات حضورؐ تک محدود نہیں آگے پیران پیر بھی پوری کن فیکون کی شان رکھتے ہیں۔ تو کیا اب اس دور کے بریلوی پیر حضرت غوث پاک کے رُوحانی وارث نہیں؟ خوش قسمت ہیں وہ مرید جواب آگے بڑھ کر اپنے مریدوں سے نمازیں معاف کرالیں۔

نمازیں معاف کرانے کی بریلوی روایت

(۱) عن عبد اللہ بن فضالۃ عن ابیہ قال علمنی رسول اللہ فکان فیما علمنی وحافظ علی الصلوات الخمس قال قلت ان ھذہ ساعات لی فیھا اشغال فمرنی بامر جامع اذا انا فعلتہ اجزأعنی فقال حافظ علی العصرین۔[2]

ترجمہ۔ حضرت فضالہ کہتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی اور کہا پانچ نمازوں کی حفاظت کرنا میں نے عرض کی حضورؐ یہ ایسے اوقات ہیں کہ مجھے ان میں بہت کام ہوتے ہیں مجھے کوئی ایسا جامع

---

[1] حدائق بخشش ۲ ص۳ [2] سنن ابی داؤد باب المحافظۃ علی الصلوات جلد ۱ ص ۶۱

عمل بتائیں کہ میں کروں تو وہ میری طرف سے کافی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عصرین کی نماز کی حفاظت کرنا۔ فجر اور عصر پابندی کے ساتھ پڑھنا۔

اس میں باقی نمازوں کی معافی کہیں مذکور نہیں یہ محافظت کا باب ہے حضورؐ فرماتے ہیں دو نمازوں (فجر اور عصر) کی محافظت کر لو باقی نمازیں خود میسر ہو جائیں گی نمازی ہونے کی تربیت ان دو سے ملے گی۔

ابوداؤد کی اس روایت کا ایک راوی داؤد بن ابی ہند ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں وہ کثیر الاضطراب اور کثیر الخلاف تھا۔[1]

الجواب :

(۱) یہ حدیث صحیح نہیں اوپر کی سند یہ ہے :-

عن رجل منهم انه اتى النبى صلى الله عليه وسلم.

ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اب معلوم نہیں کہ وہ کون تھا یا کوئی منافق تھا۔ جب تک اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہو جائے ہم اس پر کیسے اعتبار کر سکتے ہیں ضروری ہے کہ وہ راوی مجہول نہ رہے۔

محدث حاکم صحیح حدیث کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

وصفة الحديث الصحيح ان يرويه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صحابى زائل عنه اسم الجهالة۔[2]

ترجمہ۔ صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحابی روایت کرے جس کا نام نہ جانا نہ ہو۔

(۲) جو شخص مسلمان ہے اور نماز نہیں پڑھتا یا صرف دو نمازیں پڑھتا ہے تین

---

[1] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۰۴ [2] معرفۃ ع حدیث

نہیں پڑھتا مگر اس کا عقیدہ ہے کہ اسلام میں پانچ نمازوں کا حکم ہے ایسا شخص گنہگار ہے مگر کافر نہیں ہے۔

اب اگر کوئی کافر اس درجے کا مسلمان بننا چاہتا ہے تو اس پہ اسلام کا دروازہ بند رکھا جائے گا یا اسے اس درجے کا مسلمان بنا لینا چاہیئے ـــ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے واقعہ میں حضورؐ نے یہ دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ اسے مسلمان کر لیا جائے گنہگار مسلمان مطلق کافر سے بہر حال بہتر ہے ـــ رہی یہ بات کہ آپ نے اس کو یہ کیوں نہ بتلایا کہ تو مسلمان تو ہو گا لیکن گنہگار رہے گا ؟ یہ اس لیے کہ وہ نادانی میں اسلام لانے سے ہی برگشتہ نہ ہو جائے۔ رحمۃ للعالمین کا کام رحمت کو عام کرنا ہے نہ کہ ایک گنہگار کو اسلام لانے کے حق سے محروم کرنا ؟

(۳) اس حدیث کے کسی طریق میں یہ الفاظ نہیں کہ حضورؐ نے اسے تین نمازیں معاف کر دیں ـــ ایسا ہوتا بھی تو اس کا معنی یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باذنِ الٰہی ایسا کہا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بتلا چکے ہوں گے کہ کچھ عرصہ میں اس پر تین نمازیں نہ پڑھنے کا مواخذہ نہ کروں گا۔ یہ بات اسلام میں کسی طرح لائق باور کردنی نہیں کہ آپ نے خود بلا اذنِ الٰہی اس سے تین نمازیں ہی معاف کر دی ہوں۔

(۴) ہم بریلویوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا صحابہؓ میں کوئی ایسا شخص ملتا ہے جو آخر وقت تک دو نمازیں ہی پڑھتا رہا ہو اور باقی تین نمازیں اس سے مدت العمر معاف رہی ہوں ؟ بریلوی کہتے ہیں ممکن ہے وہ ایمان لاتے ہی مر گیا ہو ـــ اور ہمیں اس کا پتہ بعد میں کہیں نہ ملے۔ ہم جواباً کہیں گے کہ پھر اس پر تو کوئی نماز فرض نہ ہوئی جب اس نے ان کا وقت ہی نہ پایا ہو تو اس پر وہ فرض کیسے ہوں گی ؟ ـــ سو اس صورت میں صرف وہی نمازیں نہ پڑھیں باقی رہ بھی گئیں۔ جو وہ پڑھنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

۵ کیا اس شخص نے تین نمازیں اپنے لیے ہی معاف کر لی تھیں یا رمضان کے روزے بھی ساتھ ہی گئے؟ بریلوی ملنگ کہتے ہیں اس پر جو نمازیں فرض رہیں وہ فجر اور عصر کی نمازیں تھیں۔ جب عشاء معاف رہی تو تراویح بھی گئیں اور تراویح بھی گئیں تو روزے بھی گئے۔ روزے گئے تو صدقۃ الفطر بھی واجب نہ ہوا۔ جب یہ زکوٰۃ گئی تو سالانہ زکوٰۃ کیسے فرض ہو سکتی ہے؟

مختار کل کا عقیدہ گھڑتے گھڑتے ان ملنگوں نے سارا دین ہی ختم کر دیا۔ بلا اکیلی نہیں آتی جہاں آئے گی بلائیں آئیں گی۔ بناء فاسد علی الفاسد۔ یہ سب بریلوی بلائیں ہیں جو بریلوی ملنگوں نے اپنے گرد جمع کر رکھی ہیں۔

۶ ملنگ اس صحابی کا نام نور بخش بتاتے ہیں جس پر تین نمازیں معاف تھیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اب اس کی اولاد میں یہ دو نمازیں ہی رہیں۔ اب جو مسلمان پانچ نمازوں کو بوجھ سمجھتے ہیں وہ بلا کسی تحقیق و روایت کے اپنے آپ کو نور بخشی کہہ کر تین نمازوں کو ہی اپنے اوپر سے اتار دیتے ہیں۔

آپ خود غور فرمائیں صحابہؓ میں کیا اس قسم کے نام تھے؟ نور بخش ایک عجمی نام ہے سنا ہے اس فرقہ کے لوگ گلگت وغیرہ میں بہت پائے جاتے ہیں۔

دیکھئے بریلویوں کا آنحضرتؐ کو مختار کل بنانے کا شوق مسلمانوں کو کہاں سے کہاں لے آیا ہے۔ پیر جب کسی کے کان میں کہہ دے کہ جا میں نے تجھ سے دو نمازیں معاف کر دیں میں نور بخشی خاندان سے ہوں اور یہ فیض (دو نمازوں کو معاف کرنے کا) ہمارے خاندان میں چلا آ رہا ہے تو پھر ایسے مریدوں کو اور کیا چاہیئے؟ یہ وہ دہمات اور دھوکے ہیں جن سے جاہل لوگ بریلوی بنتے ہیں اور نمازوں کی بجائے وہ عرسوں کی رونق بنتے ہیں۔

۳ اذخر کو مستثنیٰ کرنے میں اپنے اختیار کا استعمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی سے بیان فرمایا کہ حرم مکہ کے درختوں اور کانٹوں کو کاٹنا حرام ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس قانون سے اذخر (ایک گھاس) کو مستثنیٰ قرار دینے کی گذارش کی۔ آپ نے اسی وقت اسے مستثنیٰ کر دیا۔ بریلوی کہتے ہیں اتنی جلدی وحی کیسے آسکتی ہے؟ یہ حضورؐ نے اپنے مختار کل ہونے کا حق استعمال کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ مختار کل تھے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں تحلیل و تحریم پر آپ ہی کا قبضہ ہے۔

الجواب:

پہلے یہ معلوم کریں کہ محدثین کے ہاں اس حدیث کی شرح کیا رہی ہے؟ ہم سلف صالحین کی اتباع میں چلنے والے ہیں۔ سلف کو چھوڑ کر نئی افترائیں کرنا ہمارا طریق نہیں ہے محدثین کے ہاں اذخر گھاس کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے۔

هذا محمول على انه صلى الله عليه وسلم اوحى اليه فى الحال باستثناء الاذخر وتخصيصه من العموم او اوحى اليه قبل ذلك انه ان طلب احد استثناء شىء فاستثنه او انه اجتهد فى الجميع[1]

ترجمہ۔ یہ استثناء اس پر محمول ہے کہ آپ پر اسی وقت اذخر کے استثناء اور اور اس عام حکم سے اذخر کی وحی کی تخصیص آگئی تھی یا اس سے پہلے آپ کو وحی ہو چکی تھی کہ اگر کوئی اس سے کسی چیز کے استثناء کے لیے کہے تو آپ اسے مستثنیٰ کر دیں یا آپ نے اس میں اجتہاد فرمایا اور اجتہاداً شریعت میں اس کے استثناء کی گنجائش موجود تھی۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۳۸

یہ تین احتمال ہیں جو محدثین نے یہاں ذکر کیے ہیں یہ چوتھی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت کا اختیار دے رکھا تھا محض ایک احتمال کے درجے میں ہے اور اس کا حاصل بھی مختار کل ہونا نہیں کسی ایک بات میں اجازت پانا ہے۔ پھر اس احتمال کو اگر کچھ گنجائش بھی دی جائے تو اسے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی مسئلہ کبھی احتمال سے بھی ثابت ہوا ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال سے کسے انکار ہے۔

بریلویوں کا یہ کہنا کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے۔ ابھی تو حضرت عباسؓ درخواست ہی کر رہے تھے۔ اسی وقت حضورؐ نے اس کی ہاں فرمادی تو یہ وحی کب آئی ہوگی اور حضورؐ نے اسے کب وصول فرمایا ہوگا اتنی جلدی یہ وحی کیسے آگئی اور آپ نے اسے کیسے پالیا ہے — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جلدی وحی آسکنے کا انکار زندقہ والحاد ہے

وحی کا قلب پر اترنا ایک فعل الٰہی ہے اور یہ ایک مخفی عمل ہے۔ اس کے بارے یں یہ سوچ کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے یہ اعتقاد خود زندقہ والحاد ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی لکھتے ہیں :۔

ے طحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۱۳

حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:۔

هل كان قوله صلى الله عليه وسلم الا الاذخر باجتهاد او وحی قلت اختلفوا فيه ..... وترخيص النبیؐ كان تبليغا عن الله تعالى اما بطريق الالهام او بطريق الوحی ومن ادعى ان نزول الوحی يحتاج الى عهد متسع فقد وهم[1]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا اپنے اجتہاد سے تھا یا وحی سے؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے اسے کچھ مدت چاہیئے وہ وہم کا شکار ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ استثنیٰ وحی اور اجتہاد میں دائر ہے اور دونوں صورتوں میں منبع حکم خدا کی ذات ہے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کہہ رکھا ہو تو بھی اذن اسی کا چلا دینی معاملات میں حضورؐ اپنی مرضی اور خواہش سے کچھ نہ کہتے تھے جو کچھ فرماتے وہ وحی الٰہی سے ہوتا۔ وحی جلی ہو یا خفی یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

(۴) ایک شخص نے رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسلام میں ایسے شخص پر کفارہ لازم ہے۔

۱۔ ایک غلام آزاد کرے یا

۲۔ ساٹھ روزے رکھے یا

۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔

اس شخص نے حضورؐ کی خدمت میں ان تینوں باتوں سے معذوری کا اظہار کیا اتنے میں ایک شخص سوا من کے قریب کھجوریں لے آیا حضورؐ نے اس کو کہا کہ اس سے کھجوریں لے لو اور ان کو صدقہ کر دو۔ اس نے کہا کہ مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۱۰ ص ۱۹۲

آپ نے فرمایا اچھا انہیں اپنے گھر لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔

بریلوی کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کفارہ ساقط کر دیا۔ اگر آپ مختار کل نہ تھے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ یہ ذمہ کیسے ساقط کر دیا۔

الجواب :

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۵۹ صحیح مسلم جلد ۱ ص۳۵۵ ابو داؤد جلد ۱ ص۳۳۳ جامع ترمذی جلد ۱ ص۹۶ مسند امام احمد جلد ۲ ص۲۰۸ طحاوی جلد ۱ ص۳۲۵ اور سنن کبیری جلد ۴ ص۲۲۷ وغیرہ میں موجود ہے۔ ان میں سے کسی میں یہ الفاظ نہیں کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا۔ اگر وہ شخص اس وقت انتہائی کمزور اور تنگدست تھا کہ کفارہ ادا نہ کر سکتا تھا تو کیا آئندہ بھی اس پر کوئی ایسا دور نہ آسکتا تھا کہ وہ اتنی رقم صدقہ کرنے کے لائق ہو جائے۔ اگر یہ احتمال موجود ہے تو اس واقعہ سے بریلویوں کا آپ کو مختار کل ثابت کرنے کا احتمال ٹوٹ گیا۔

اذا جاء الاحتمال بطل به الاستدلال.

(۲) سنن دار قطنی جلد ۱ ص۲۵۱ میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:۔

فقد كفر الله عنكَ.

(اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کفارہ اٹھا لیا ہے)

سو جب اس کفارہ کو خود خدا نے ساقط کیا تو حضورؐ صرف اس کے بیان کرنے والے ہوئے اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ آپ نے خود اس سے کفارہ ساقط کیا تھا اور اپنے مختار کل ہونے کا حق استعمال کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے [۱]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

---

[۱] دیکھئے فتح الباری جلد ص اس کا راوی منذر بن محمد ضعیف ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص۲۰۰)

وقال الجمهور لا تسقط الكفارة بالاعسار والذی اذن له فی التصرف
ليس على سبيل الكفارة۔[1]

ترجمہ۔ جمہور اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ تنگدستی سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ اسے جو کھجوریں لینے کا اذن ملا وہ بر سبیل کفارہ نہ تھا یعنی کفارہ اس کے ذمہ رہا۔

(۳) یہ جملہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا امام زہری کا ادراج ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ کسی طریق میں نہیں ہیں۔[2]

امام نووی شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۴ اور شرح مہذب جلد ۶ صفحہ ۳۴۴ میں کفارہ تاخیر سے ادا کرنے کا فیصلہ دیتے ہیں کفارہ کو اس سے ساقط نہیں کرتے۔ فقہ حنفی کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ علامہ سرخسی (ھ) لکھتے ہیں:۔

ولكنه عذره فی التاخير للعسرة۔[3]

ترجمہ۔ لیکن آپ نے اسے تنگ حالی کے باعث دیر کرنے میں معذور قرار دیا۔

حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

عن ابی جعفر الطبری ان قياس ابی حنيفة والثوری وابی ثور
ان الكفارة دين لا تسقط عنه لعسرته وعليه ان ياتی بها اذا
ايسر كسائر الكفارات۔[4]

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ، امام سفیان الثوری اور امام ابو ثور کا فتویٰ اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے ہاں کفارہ گویا ایک قرض ہے جو تنگدستی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا اور یہ اس کے ذمہ رہتا ہے کہ جب اسے آسودگی ہو وہ اسے ادا کرے جیسا کہ اور دوسرے کفارات میں ہے۔

---

[1] فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ [2] دیکھیے نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ صفحہ ۴۵۲ الدرایہ صفحہ ۱۷۵ [3] المبسوط جلد ۳ صفحہ ۷۱ [4] عمدۃ القاری صفحہ ۲۹

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) زہری کے الفاظ کو رد نہیں کرتے لیکن وہ اسے صرف ایک وقتی حل سمجھتے ہیں اور انجام کار وہ بھی کہتے ہیں :۔

فغاية الامر انه اخره عنه الى الميسرة اذ كان فقيرًا فى الحال [۱]

ترجمہ۔ سو آخری بات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اس کا کفارہ اس وقت تک کے لیے مؤخر فرمایا کہ وہ آسودہ حال ہو جائے اس وقت وہ بالکل تنگدست تھا۔

علامہ ابن عابدین الشامی درمختار کے الفاظ (قولہ وکفر) پہ لکھتے ہیں :۔

ترك بيان وقت وجوب القضاء والكفارة اشعارًا بانه على التراخى كما قال محمد وقال ابو يوسف انه على الفور وعن ابى حنيفة روايتان كما فى القرتاشى وقيل بين رمضانين وقال الكرخى والاول الصحيح [۲]

ترجمہ۔ قضا اور کفارہ کس وقت ضروری ہے اسے یہاں ذکر نہیں کیا۔ اس میں تراخی (آئندہ جب بھی ہو) کی نشاندہی ہے امام محمد کا یہی قول ہے امام ابو یوسف فوری قضاء کے قائل ہیں حضرت امام سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ آئندہ رمضان تک وہ ادا کرلے امام کرخی کہتے ہیں یہ پہلی بات صحیح ہے۔

زہری کی روایت میں یہ جملہ ہے کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا اور تیرے سوا یہ کسی اور کو یہ جائز نہیں ہے۔

محدث زیلعی لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ مجھے کسی حدیث میں نہیں ملے [۳] اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تائید کی ہے [۴]

---

[۱] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۷۲ [۲] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ [۳] نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۳ [۴] الدرایہ صفحہ ۱۷۵

کے لیے اسے جائز قرار دیا، آپ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں۔

⑤ بیوہ کی عدت کی مدت چار مہینے دس دن ہے سوگ کے ساتھ — حضورؐ نے اسماء بنت عمیس کا سوگ صرف تین دن کر دیا۔

⑥ حضورؐ کے نام پر نام رکھنا اور ساتھ آپ کی کنیت کو جمع کرنا ممنوع تھا مگر آپ نے حضرت علیؓ کو ایک بیٹے کے لیے اس جمع کی اجازت دے دی۔

⑦ حکام کے لیے تحفہ لینا حرام ہے مگر آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو تحائف لینے کی اجازت دے دی۔

⑧ جو شریک جہاد نہ ہوا ہو وہ مالِ غنیمت میں حصہ دار نہیں مگر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو غنائم بدر میں شریک کیا۔

علماء اہلسنت کے ہاں بریلویوں کی ان تمام باتوں کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا سب باذنِ الٰہی تھا۔ آپ نے اپنی طرف سے شریعت میں کوئی اکھاڑ پچھاڑ نہیں کی نہ آپ اس کے مجاز تھے۔ آپ اللہ رب العزت کی طرف سے مامور تھے مختارِ کل نہ تھے۔ نہ اہلِ سنت کی کتب عقائد میں آپ کے مختار ہونے کے نام سے کوئی عقیدہ موجود ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ (پ۲۷ النجم)

اب ہم ان جزئیات پر نمبروار کچھ عرض کرتے ہیں:۔

① اسلام میں نوحہ پہلے مباح تھا — پھر مکروہ تنزیہی ٹھہرا — پھر حرام ہوا۔ ام عطیہؓ کو جو آپ نے اجازت دی وہ اس کے حرام ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ سو یہ آپ کا شریعت میں تصرف کرنا نہیں ہے نہ شریعت کی کسی حرام کردہ چیز کسی کے لیے جائز کرنا ہے۔

حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں۔ جب نوحہ کرنا مکروہ تنزیہی تھا اس دور میں

حضورؐ نے ام عطیہ کو اجازت دی تھی. فتح الباری جلد ۸ صلاہ میں بھی اسی طرح ہے.

(۲) آپ نے چھ ماہ کی بکری کی قربانی حضرت ابوبردہ کے لیے باذن الٰہی جائز کی تھی.
ایسی تمام جزئیات اس اصل کے تابع ہیں کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نام لے کر کوئی بات کریں یا اس کا نام لیے بغیر کسی چیز کو جائز یا ناجائز کریں ان سب میں بات خدا کی طرف سے ہی ہوتی ہے جو لوگ تشریع میں اللہ اور اس کے رسول میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں وہ حق پر نہیں ہیں.

(۳) حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے قائم مقام یہ باذن الٰہی ٹھہرائی گئی تھی حضورؐ کسی کے لیے کوئی خصوصیت فرمائیں تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوگا اور کسی کو کسی بات سے مستثنیٰ کر دیں تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوگا.

(۴) بریلویوں کی پیش کردہ یہ روایت سند صحیح سے ثابت نہیں علامہ حازمی لکھتے ہیں:
اسنادہ لیس بذلک [1]

اگر ایسا ہوا ہو تو وہ بدوں اذن الٰہی نہیں ہو سکتا. حضورؐ جو کچھ کرتے اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتے تھے.

فالبسنیہ فقال البس ما کساک اللہ ورسولہ. [2]

عن ابی اسحٰق قال رأیت علی براء خاتما من ذھب [3]

اگر اس کی رخصت ملی تو صرف حضرت براءؓ کو نہیں حضرت حذیفہؓ حضرت سعدؓ حضرت طلحہؓ. جابر بن سمرہؓ نے بھی اسے رخصتہً پہنا.

عن ابراھیم التیمی قال کانوا یرخصون للغلام فی خاتم الذھب [4]
ترجمہ حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ علماء بچے کے لیے سونے کی انگوٹھی جائز سمجھتے تھے.

---

[1] کتاب الاعتبار صلاہ ۲۳۲ [2] مسند امام احمد جلد ۴ صلاہ ۲۹۴ [3] المصنف جلد ۵ صلاہ ۱۹۵ [4] ایضاً

ابوالقاسم لازدی کہتے ہیں:-

سالت انس بن مالکؓ اتختم من ذھب فقال نعم ... ولکن لا تطعم فی اناء الذھب والفضۃ. [1]

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کیا میں سونے کی انگوٹھی پہن سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں لیکن تم سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھا نہیں سکتے۔

امام ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے المصنف میں اس پہ باقاعدہ رخصت کا باب باندھا ہے رخصت اور عزمیت دونوں شریعت کے حکم ہیں۔ رخصت اسی کی طرف سے ہے جس کی طرف سے عزمیت ہے۔ اس میں مختار کل کا کوئی موضوع نہیں۔

(۵) پہلے سوگ کا لباس بیوہ کے لیے تین دن کا ہی تھا پوری عدت میں سوگ کا حکم نہ تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور اب ضروری ہوا وہ پوری دورانِ عدت سوگ کے لباس میں رہے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں:-

ان الاحداد لم یکن علی المعتدۃ فی کل عدتھا وانما کان فی وقت منھا خاص ثم نسخ ذلک وامرت بان تحد علیہ اربعۃ اشھر وعشرا [2]

ترجمہ: پہلے عدت والی عورت کے لیے سوگ کرنا کل دورِ عدت کے لیے نہ تھا عدت کے خاص دنوں میں (پہلے تین دن) تھا پھر یہ منسوخ ہوگیا اور حکم ہوا کہ اب وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے (اب وہ پوری عدت باہر نہ نکلے)۔

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت عمیس کو کسی حکم شریعت سے مستثنیٰ نہیں کیا تھا اس وقت حکم شریعت ہی یہ تھا — بریلویوں کی حضورؐ کو بار بار خدا کے مقابل لانے

---

[1] المصنف جلد ۵ ص۱۹۵ [2] معانی الآثار للطحاوی جلد ۲ ص۴۸

کی یہ جرأت انتہائی لائق افسوس ہے

(۲) ابتداء اسلام میں حضورؐ کے نام اور کنیت کو ایک شخص میں جمع کرنا ممنوع تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا جس وقت آپ نے حضرت علیؓ کو اس کی اجازت دی کہ وہ آئندہ اپنے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم رکھ سکیں گے اس وقت یہ جمع بین الاسم والکنیہ ممنوع نہ تھی۔ امام طحاوی لکھتے ہیں :-

ان نهيه عن التكني بكنيته فى حديث ابى هريرة فيما ذكرنا ه معه من الآثار لا يخلو من احد وجهين اما ان يكون متقدما للمقصود فيه الى الجمع بين الاسم والكنية او متاخرا عن ذلك فان كان متاخرا عنه فهو زايد عليه غير ناسخ له وان كان متقدما له فقد كان ثابتا ثم روى هذا بعده فنسخه.[1]

ترجمہ: آپکا حدیث ابو ہریرہؓ کی رو اور دل کر اپنی کنیت رکھنے سے روکنا جیسا کہ ہم نے آثار سے نقل کیا ہے دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو نام و کنیت کو جمع نہ کرنے کے قصد سے پہلے کا ہو گا یا بعد کا اگر بعد کا ہے تو اسے ایک امر زائد کہیں گے اسے نسخ کرنے والا نہ کہیں گے اور اگر وہ اس سے پہلے کا ہے تو یہ اپنی جگہ ثابت ہوا پھر یہ اس کے بعد کی روایت ہے جس نے اسے منسوخ کیا۔

سو اس صورت میں یہ نہ کہا جا سکے گا کہ اصل مسئلہ تو یہی تھا کہ انہیں جمع نہ کیا جائے حضورؐ نے جو حضرت علیؓ کو اس کی اجازت دی یہ بطور مختار کل آپ کا اذن تھا۔ امام طحاوی کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا نہ امام طحاوی آپ کے مختار کل ہونے کے قائل تھے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :-

قد اختلف فى جواز التكنى بكنيته صلى الله عليه وسلم فالمشهور عن الشافعى المنع على ظاهر هذه الاحاديث وقيل يختص ذلك بزمانه.[2]

ترجمہ: آنحضرتؐ کی کنیت ابو القاسم سے اپنی کنیت کرنا جائز ہے یا نہیں

---

[1] طحاوی جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۰۵

اس میں اختلاف ہے اور یہ قول بھی موجود ہے کہ یہ منع صرف آپ کے دور تک تھی۔

⑦ حکام کے لیے مطلقاً تحفہ لینا حرام نہیں باجازت امام وہ تحفہ لے سکتا ہے۔
علامہ عینی لکھتے ہیں :-

ان الامام اذا اباح له قبول الهدية لنفسه فهو يطيب له۔[1]

ترجمہ۔ امام جب کسی ماتحت حاکم کے لیے قبول ہدیہ جائز کر دے تو اس کے لیے وہ بے شک پسندیدہ مال ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ عام ضابطہ ہے اس میں کسی کی خصوصیت اور وہ بھی اپنے ذاتی اختیارات کے ساتے میں یہاں ہرگز اس کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی تھی کہ میری اجازت کے بغیر کسی سے ہدیہ قبول نہ کرنا ـــ اس میں واضح ہے کہ آپ کی اجازت سے حضرت معاذؓ کے ہدیہ قبول کرنے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے۔

لا تصيبن شيئاً بغير اذنى فانه غلول۔[2]

ترجمہ۔ میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کہ یہ خیانت ہے

یہ ایک عام ضابطہ ہے حضورؐ نے اسے بیان کر کے عمومی پیرایہ میں فرمایا:-

عن معاذ بن جبلؓ قال بعثني رسول الله الى اليمن فلما سرت ارسل في اثرى فرددت فقال أتدري لما بعثت اليك قال ومن يغلل يأت بما غل يوم القيامة ـــ لهذا دعوتك وامض لعملك۔[2]

ترجمہ۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں آنحضرت نے جب مجھے یمن بھیجا تو جب میں چلا میرے پیچھے آپ نے ایک شخص کو بھیجا اور میں حضورؐ کے پاس

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۲۲۳   [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۵۱

لے جایا گیا۔ آپ نے کہا تجھے پتہ ہے میں نے تجھے کس لیے بلایا ہے دیکھنا میری اجازت کے بغیر کسی سے کوئی تحفہ نہیں لینا یہ خیانت کے حکم میں آتا ہے۔

(۸) امیر اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کام پر لگا دے اور وہ شریک جہاد نہ ہو سکے (جیسے حضرت عثمانؓ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے) اور حضورؐ کے حکم سے حضورؐ کی بیٹی رقیہؓ (جو ان کی زوجہ تھیں) کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہے یا جیسے حضرت علیؓ جنگ تبوک سے پیچھے رہے) تو اسے مال غنیمت سے حصہ ملنے پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں جو مال جاتا وہ علی وجہ التملیک جاتا۔ اور مالک کو حق ہے کہ جس کو چاہے اس میں سے جسے چاہے دیدے ۔ یہ امیر کے اختیارات کا مسئلہ ہے اس کے تکویناً مختار کل ہونے کا نہیں۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول وکان کل ما اضافہ اللہ الی نفسہ علی سبیل الفرض وما اضافہ الی رسولہ علی سبیل التملیک [1]

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں غنائم اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہونا علی سبیل الفرض ہے اور رسول پاک کے لیے ہونا علی وجہ التملیک ہے۔

---

[1] طحاوی جلد ص

مسئلہ مختارِ کُل

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی رُو سے

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

عقائد قطعیات سے ثابت ہوتے ہیں ان کے لیے ظنی دلیل کافی نہیں ہو سکتی۔

افسوس کہ بریلوی علماء اخبار احاد کیا محض حکایات سے بھی اتنا بڑا کام لے لیتے ہیں اور ان کے عوام جو قواعد علم سے یکسر خالی ہوتے ہیں وہ اہل بدعت کو اہل سنت کہنے میں بھی اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اثبات عقیدہ کے لیے وہ دلیل چاہیئے جو اپنے ثبوت میں بھی قطعی ہو اور اپنے مضمون کی دلالت میں بھی قطعی ہو — عقائد قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل سے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام میں قطعی الثبوت قرآن کریم اور حدیث متواتر ہے ان سے جو حوالہ لیا جائے ضروری ہے کہ اس کی اپنے موضوع پر دلالت قطعی ہو اس میں کسی دوسرے معنی کی راہ نہ نکلتی ہو نہ کوئی اور احتمال پیدا ہو۔

ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ :-

(۱) اللہ تعالیٰ تمام اختیارات کا مالک ہے۔

(۲) وہ اپنے اختیارات کبھی کسی کو سپرد نہیں کرتا۔

(۳) اس کے اختیارات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۴) اس کا مختار کل ہونا (ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہونا) اسلام کے عقیدہ توحید کا ہی ایک پیرایہ ہے۔

(۵) اللہ کے فرشتے اور اس کے بھیجے انبیاء و رسل سب اس کے بندے ہیں اور مامور۔

آیئے اب ہم ان مسائل کی روشنی میں مسئلہ مختار کل سمجھیں اور دیکھیں کہ قرآن کریم اس میں کیا رہنمائی کرتا ہے :-

(۱) وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء فتاتیھم بایۃ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن من الجاھلین۔ (پ الانعام ۳۵)

ترجمہ۔ اور اگر ان کا منہ پھیرنا تجھ پر گراں گزرتا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں زینہ۔ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر ہی رکھتا سو تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہونا

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہیئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ حق تعالیٰ نے تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین و آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا مجبور کن معجزہ دکھلا دے۔ [۱]

اس آیت میں صریح طور پر بتلایا گیا ہے کہ زمین میں سرنگ لگانا اور یا آسمان میں سیڑھی لگانا یہ آپ کی استطاعت میں نہیں رکھا گیا۔ فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء اس موضوع پر قطعی الدلالہ ہے اور آپ کے مختار کل نہ ہونے کی ایک قوی شہادت ہے۔

---

[۱] فوائد القرآن للعلامہ العثمانی ص۱۷۶

(۲) وقالوا لن نؤمن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعًا ٥ او تکون لك جنة من نخیل واعناب فتفجر الانھار خلالھا تفجیرًا ٥ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفًا او تأتی باللہ والملٰئکة قبیلا ٥ او یکون لك بیت من زخرف او ترقٰی فی السماء ولن نؤمن لرقیك حتی تنزل علینا کتابًا نقرؤہ ٥ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرًا رسولًا ٥ (پ۱۵ الاسراء ۹۴)

ترجمہ۔ اور وہ بولے کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ بہادو یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور تم اس کے اندر نہریں رواں کردو اور یا تم ہم پر آسمان گرادو جیسا کہ تم سمجھ رہے یا تمہارے لیے گھر ہو سونے کا یا تم آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھ جانے کو بھی نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتار دے جسے ہم پڑھ سکیں۔ آپ کہہ دیں پاک ہے میرا رب ہر کمزوری سے (یعنی وہ یہ سب کچھ کرسکتا ہے) میں تو ایک انسان ہوں خدا کا بھیجا ہوا۔

(۳) وان یمسسك اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردك بخیر فلا راد لفضلہ۔ (پ۱۱ یونس ۱۰۷)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف دے تو اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا مگر وہی ایک اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی دے تو اسے کوئی پھیرنے والا نہیں۔

وان یمسسك اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسك بخیر فھو علٰی کل شیء قدیر۔ (پ۷ الانعام ۱۷)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی تکلیف میں ڈالے تو کوئی اسے اُٹھانے والا نہیں مگر وہی ایک اور اگر وہ تجھے کسی بھلائی میں لائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(۴) جو کفار آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے آپ کو علم نہ تھا کہ یہ ایمان لے آئیں گے یا ان پر خدا کی پکڑ لکھی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا:۔

لیس لک من الامر شیء او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظلمون۔

(پ۴ آل عمران ۱۲۸)

ترجمہ۔ یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں، انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے وہ تو ظالم ہی ہیں۔

اس سے زیادہ قطعی الدلالۃ پیرایہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی کوئی آپ کو مختارِ کل کہے تو کون کسی کی زبان پکڑ سکتا ہے۔

(۵) ومن یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئا۔ اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔ (پ۶ المائدہ ۴۱)

ترجمہ۔ اور جس کو خدا کسی آزمائش میں ڈالے تو آپ اس کا کچھ نہیں کر سکتے یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دل پاک کرے ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

جس کا بھی اس آیت پر ایمان ہو گیا وہ۔ ایک لمحہ کے لیے بھی حضورؐ کے مختارِ کل ہونے کا قول اختیار کر سکتا ہے؟

(۶) قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا

نذیر مبین۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں اپنے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر وہی جو خدا چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی سوائے اس کے نہیں کہ میں تم (لوگوں) کو کھلے بندوں ڈرانے والا ہوں۔

(۷) قل ان لا املک لکم ضرًا و رشدًا ٥ قل انی لن یجیرنی من اللہ احدٌ ولن اجد من دونہ ملتحدًا۔ (پ۲۹ الجن ۲۲)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میرے اختیار میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ تمہارا راہ پر لانا۔ آپ کہہ دیں کہ نہ بچائے گا مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا میں اللہ کے سوا کہیں سرک رہنے کی جگہ (جائے پناہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اپنے بارے میں نہ اپنی امت کے بارے میں کہیں اختیارات کا دعوے نہ تھا۔ یہ آیات اپنے ثبوت اور اپنی دلالت دونوں میں قطعی ہیں۔ آیات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایک خدا ہے جو تمام اختیارات کا مالک ہے۔

(۸) ولا تصلّ علیٰ احدٍ منہم مات ابدًا ولا تقم علیٰ قبرہ انہم کفروا باللہ ورسولہ۔ (پ۱۰ التوبہ ۸۴)

ترجمہ: اور آپ ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہو چکے۔

جس کو اس طرح حکم کا پابند کیا جائے کیا پھر اسے ہر بات میں اختیار رکھنے والا کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں آپ کو اس درجہ میں نہیں رکھا گیا کہ چاہیں تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور چاہے نہ پڑھیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب جبریل آپ کے پاس وحی لے کر آئیں آپ

ان کے پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو ساتھ ساتھ حرکت نہ دیں۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به انا علينا جمعه وقرانه .

(پ۲۹ القیمہ)

ترجمہ۔ اے پیغمبر آپ قرآن کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ کو اس کو جلدی جلدی لیں اس کا جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

(۱۰) ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلك غدا. (پ۱۵ الکہف ۲۳)

ترجمہ۔ اور آپ ہرگز نہ کہیں کسی کام کو کہ میں اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ حضور کو اس بات کے نہ کہنے کا پابند کیا گیا یا یہ کہ ایسا چاہیں کہیں اور نہ چاہیں تو ایسا نہ کہیں معلوم نہیں اتنی کھلی بات کے ہوتے ہوئے بریلویوں نے یہ مختار کل کا عقیدہ کہاں سے گھڑ لیا ہے۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہ تکوینی امور میرے ہاتھوں میں نہیں ہیں۔ میں تو وہی کچھ کر سکتا ہوں جو ایک انسان کر سکے۔ سو ایک انسان کی حیثیت میں نہ کوئی مختار کل ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

مختارِ کل کی نفی پر

ایک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت قدرِ مشترک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کئی موقعوں پر اپنی مجبوری اور بے بسی ان الفاظ میں ظاہر فرمائی اور کہا کہ میں حساب کے دن اغثنی یارسول اللہ کہنے والوں کو کہوں گا :۔

لا املک لک شیئًا ۔ کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں ۔

یہ مضمون کسی ایک روایت میں نہیں متعدد روایات میں یہ مختلف پیرایوں میں وارد ہوا ہے ۔ یہ واقعات گو اپنی اپنی جگہ اخبار احاد ہیں لیکن ان کا مدلول مشترک تواتر کے درجہ میں پہنچتا ہے ہم پہلے بھی یہ احادیث پیش کر چکے ہیں ۔ اب بیان قدرِ مشترک کے لیے ان میں بعض پھر سے پیش کرتے ہیں :۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور خیانت کے موضوع پر آپ نے بہت زور دیا اور کچھ مثالیں بھی بیان فرمائیں کہ قیامت کے دن متعدد لوگ اپنی چوری کی چیزیں کندھوں پر اٹھائے پیش ہوں گے اور حضورؐ کے سامنے فریاد کریں گے کہ ہمیں بچالیں حضورؐ اس کے جواب میں فرمائیں گے کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی میں کچھ نہیں کر سکتا میں نے اللہ کی بات تم تک پہنچا دی تھی ۔[1]

(۲) حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے موقعہ کا خطبہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۳۲ ۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

بیان کرتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب آیت انذر عشیرتك الاقربین اُتری تھی. آپ نے یامعشر قریش کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا بنی عبد مناف کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا عباس بن عبد المطلب کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ کہہ کر بھی خطاب فرمایا اور آخر میں یا فاطمۃ بنت محمد کہہ کر بھی خطاب کیا اور ہر دفعہ کہا لا اغنی عنك من اللہ شیئاً[1] لا املك لکم من اللہ شیئاً.[2]

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضورؐ کے پاس آیا اور آپ کو ننھے ننھے بچوں سے پیار کرتے دیکھا اور فرمایا. تقبلون الصبیان فما نقبلھم. اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

أو املك لك اذا نزع اللہ من قلبك الرحمۃ.[3]

ترجمہ. جب خدا نے تمہارے دل سے شفقت ہی نکال دی تو میں تیرا کیا کر سکتا ہوں.

یعنی میں تیری بات میں کوئی اختیار نہیں رکھتا. اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے وہ جذبہ ہی نکال دیا ہے.

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ہاں رہنے میں عدل اور برابری قائم رکھتے. پھر بھی اللہ کے حضور عرض کرتے :-

اللّٰھم ھذہ قسمتی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك.[4]

ترجمہ. اے اللہ یہ میری تقسیم اس حد تک ہے جہاں تک میرا بس چلا اب مجھے اس حصہ میں ملامت نہ کرنا جس کا صرف تو ہی مالک ہے اور میں اس میں اختیار نہیں رکھتا.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷، صحیح مسلم صفحہ ۱۱۴ [2] طحاوی صفحہ ۱۳۷ [3] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۷ صحیح مسلم صفحہ ۲۵۲ [4] جامع ترمذی صفحہ ۱۳۶

یہ حدیث سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۲۹۰ اور سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۷۸ میں موجود ہے۔ ان چار احادیث میں پہلی دو میں قیامت کے دن آپ اپنے اختیار کی نفی کریں گے اور پچھلی دو میں آپ نے اس دنیا کی زندگی میں اپنے مختار کل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ ان چار احادیث میں قدر مشترک آپ کا اپنے ہمہ گیر اختیار کی نفی کرنا ہے۔

ان احادیث کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آپ اپنے مختار کل ہونے کی نفی فرمارہے ہیں۔ یہی بات ان دو آیتوں میں بھی آپ پڑھ آئے ہیں ہم پہلے بھی ان آیات کو پیش کر آئے ہیں ۔

قل لا املك لنفسى نفعاً و لاضراً الا ما شاء الله. (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں مگر وہی جو خدا چاہے۔

قل انى لا املك لكم ضراً ولا رشداً ۔ (پ۲۹ الجن ۲۲)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں تمہاری کسی بڑائی اور اچھائی کا مالک نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بارے میں نہ اپنی امت کے بارے میں کہیں اپنے عام اختیارات کا دعوے نہیں ملتا۔ یہ مضمون آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے آیات قرآنی جو ہم نے پیش کی ہیں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں اور احادیث بھی جو ہم نے اس موضوع پر پیش کی ہیں ان کی قدر مشترک بھی متواتر ہے سو ان قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلائل کے سامنے بریلوی علماء سراپا عجز ہیں اور ان سے ان آیات اور اور ان احادیث کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ بریلوی علماء نے اس حدیث میں تاویل کی جو راہیں نکالی ہیں ان میں بھی وہ بُری طرح ناکام ہیں۔ حدیث کے الفاظ پر پھر سے غور کریں۔

خیانت کرنے والا کہے گا یا رسول اللہ میری فریاد رسی کیجئے (مجھے بچائیے)

اس پر میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا میرا کام تجھ تک دین پہنچانا تھا اور وہ میں نے پہنچا دیا تھا۔

بریلویوں کی ایک بدوی تاویل

حضورؐ کا یہ جواب گستاخوں اور بے ادبوں کے لیے ہوگا جو یہاں اغثنی یارسول اللہ نہیں کہتے اور وہاں کہیں گے (گویا وہاں بریلوی بن جائیں گے)۔

الجواب :

۱ یہ خائن یارسول اللہ کہنے والے ہوں گے اور آنحضرت کو غوث مان کر فریاد رسی کریں گے۔ اہل السنۃ والجماعۃ تو یہیں سے یہ اعتقاد ساتھ لے کر جائیں گے کہ اس دن کا مالک صرف اللہ سبحانہ ہے لمن الملک الیوم ؟ آج کس کی بادشاہی ہے ؟ جواب بھی اسی کا ہوگا۔ للہ الواحد القہار کیا اہل حق وہاں کسی کو غوث سمجھ سکیں گے۔

۲ آپ نے یہ جملہ کہ میں تمہاری کسی چیز کا مالک نہیں۔ اپنے اقربین کو بھی تو نام لے لے کر فرمایا۔ اب کیا وہ بھی (معاذ اللہ) سب گستاخ اور بے ادب تھے۔

یا معشر قریش اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئا۔ یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا عباس بن عبدالمطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔ یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔ یا فاطمۃ سلینی ماشئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔[1]

کیا حضرت فاطمہؓ آپ کی لخت جگر نہیں آپ ان کو بھی فرما رہے ہیں کہ میں اللہ کے ہاں تیرے کسی کام نہ آسکوں گا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۷۰۲، صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۱۱۴، مسند امام احمد جلد ۶ صـ ۱۸۷

حضرت ابن عباسؓ پر بریلویوں کا ایک سوال اور اُس کا جواب

حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ساری امت مل کر بھی تجھے کوئی نفع و نقصان نہیں دے سکتی منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ بات اس وقت تھی جب تقدیروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرتے تھے اب جب تقدیروں کا فیصلہ بھی اللہ رب العزت نے حضورؐ کو دے دیا ہے تو اب آپ سب خیر و شر کے مالک اور مختار کل کیوں نہیں؟ بریلویوں کے مولانا محمد شریف کوٹلوی نے اس پر بخاری شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

لا یأتی ابن ادم النذر بشیٔ لم اکن قدرته۔[1]

ترجمہ۔ نذر اور منت ماننا ابن آدم کو کوئی نفع نہیں دے سکتا مگر وہی جو میں نے اس کے مقدر کر دیا ہو۔

اس پر یہ بریلوی مولوی صاحب لکھتے ہیں:۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر (قسمت بنانا) بھی حضورؐ کے اختیار میں ہے یعنی جو کچھ کسی کی تقدیر میں لکھا ہے وہ حضور علیہ السلام نے ہی مقدر کیا ہے۔[2]

الجواب:

صحیح بخاری کی اس روایت کے الفاظ لم اکن قدرته درست نہیں ہیں۔ ایک نسخہ میں لم یکن قدر له ہے۔ قرآن کریم جو قیامت تک کے لیے حجت ہے اس میں ہے کہ تقدیریں بنانے والا صرف اللہ ہے اب قرآن کریم کے خلاف اس حدیث کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

ولم یکن له شریك فی الملك وخلق كل شیٔ فقدره تقدیرا۔ (پ۱۸ الفرقان ۲)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۸ [2] اربعین نبویہ ص ۳۷

ترجمہ۔ اور نہیں ان کا کوئی شریک اس کے ملک میں۔ اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کو تقدیروں میں لانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے سے بھی پچاس ہزار سال پہلے کل مخلوقات کے بارے میں اندازہ ٹھہرا دیا تھا کہ وہ خیر و شر کی قوتوں کو کیسے استعمال کریں گے۔

کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ قال وعرشہ علی الماء [۱]

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خدا کا نام لے کر بتائی ہے اپنے نام سے نہیں۔

ان النذر لا یقرب من ابن ادم شیاء لم یکن اللہ عزوجل قدرہ لہ۔ [۲]

ترجمہ: نذر ماننا کسی چیز کو ابن آدم کے قریب نہیں کرتا مگر وہی چیز جس کا فیصلہ خدا عزوجل نے اس کے لیے مقدر کیا ہو۔

اب بتاؤ تقدیریں بنانے والا کون ہے؟ صحیح بخاری کے نادرست الفاظ سے کسی کو مغالطہ نہ دو۔

سو یہ بات غلط ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کہ "ساری مخلوق مل کر بھی تجھے کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ خدا نے اسے تیرے لیے مقدر نہ کیا ہو قلم اٹھ چکے ہیں اور تحریریں خشک ہو چکیں" صحیح بخاری کی اس روایت سے کہ تقدیریں حضورؐ بناتے ہیں منسوخ ہو چکی۔ ایسا ہرگز نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور لکھا ہے:

ھذا حدیث حسن صحیح۔ [۳]

اس حدیث کا پہلا راوی فضل بن حباب ابو خلیفہ جمحی ثقہ ہے دوسرا راوی ابو الولید

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ مشکوٰۃ صفحہ ۱۹ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۴ کتاب النذر [۳] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۴

الطیالسی صحیحین کے مرکزی رواۃ میں سے ہے تیسرے لیث بن سعد بھی ثقہ ہے. چوتھا راوی قیس بن حجاج صدوق اور ثقہ ہے. پانچواں راوی حنش صنعانی ہے اس پر کسی کی جرح نہیں. یہ حضرت ابن عباسؓ کا براہ راست شاگرد ہے.

بریلوی علماء پر افسوس ہے کہ ایسی صریح اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے وہ اپنے عقائد کی بناء یا ان روایات پر رکھیں گے جو خود مخدوش ہوں یا حکایات اور اقوال الرجال ہو — اور ظاہر ہے کہ ان ظنیات سے عقائد ہرگز طے نہیں ہوتے. ان کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے.

حضورؐ جنت کے ایک حصہ کا مالک ہیں تو مختار کل کیوں نہ ہوئے

بریلوی علماء ایک فرضی روایت لیے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جنت کا ایک قطعہ دیا ہے اور وہ اس لیے کہ اس میں اپنی مرضی سے جسے چاہیں داخل کریں. سو اس میں تو آپ مختار کل ہیں.

وذکر ابن سبع ان اللہ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی ما شاء لمن شاء.[1]

ترجمہ. بے شک اللہ تعالیٰ نے ارض جنت کا ایک قطعہ آپ کو دے رکھا ہے اس سے آپ جو چاہیں جس کو چاہیں دیں.

الجواب:

یہ ابن سبع کا قول ہے. یہ کون بزرگ ہیں ان کا پتہ چاہیئے اور ظاہر ہے کہ عقیدے اس قسم کے اقوال سے ثابت نہیں ہوتے.

پھر جنت کا بڑا حصہ خدا کے قبضہ میں ہو اور ایک قطعہ حضورؐ کے اختیار میں یہ حضورؐ کی خدا تعالیٰ سے قطعہ بندی سمجھ میں نہیں آتی.

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ طبع قدیم جلد ۱ صفحہ ۵۷

ثالثاً اگر اس بات میں کچھ بھی وزن ہو تو کیا آپ اس میں الطالب کو نہ لا سکیں گے؟
رابعاً امام ملا علی قاری تو خود عقیدہ تفویض کے خلاف ہیں وہ حضورؐ کو کیسے مختارِ کل کہہ سکتے ہیں۔

حضورؐ کی حدیث میں اس مسئلے کا واضح فیصلہ

آنحضرتؐ جب اللہ کے حضور شفاعت کے لیے چوتھی بار سجدہ ریز ہوں گے اور کہیں گے کہ مجھے ہر لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کے بارے میں نجات کا اذن دیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

ائذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ قال لیس ذلک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منھا من قال لا الٰہ الا اللہ (متفق علیہ)[1]

ترجمہ۔ یہ بات آپ کے لیے نہیں مجھے اپنی عزت اور جلال اور کبریائی اور عظمت کی قسم میں جہنم سے ہر لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو نکالوں گا۔

اس پر امام ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

قال القاضی ای لیس ھذا لک وانما افعل ذلک تعظیما لاسمی اجلالا لتوحیدی۔۔۔ وقال شارح من علمائنا المحققین المعنی لیس اخراج من قال لا الٰہ الا اللہ من النار لک ای الیک یعنی مفوضا الیک وان کان لک فیھم مکان الشفاعۃ۔[2]

ترجمہ۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں" یہ بات آپ کے لیے نہیں"، میں خود اپنے نام کی تعظیم اور اپنی توحید کی عزت کے لیے ایسا کروں گا۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۹ [2] مرقات جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۴

والے کو آگ سے نکالنا یہ آپ کے سپرد نہیں (آپ کی تفویض نہیں) اگرچہ
آپ کو ان کے بارے میں شفاعت کا حق حاصل ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ امام ملا علی قاری تفویض کا عقیدہ نہ رکھتے تھے، نہ آخرت بخشش کے بارے میں نہ دنیا کے تکوینی امور میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضورؐ نے حضرت قتادہؓ کو آنکھ دوبارہ لگادی

حضرت قتادہؓ کی آنکھ احد کے دن لٹک آئی۔ آپ نے آنحضرتؐ سے گذارش کی آپؐ نے اس نکلی آنکھ کا ڈھیلہ اٹھایا اور اسے آنکھ کی جگہ رکھ دیا اور ان کی بینائی لوٹ آئی۔[1]

الجواب :

یہ صحیح ہے کہ آپ نے آنکھ کا نکلا ہوا ڈھیلہ آنکھ کی جگہ پر رکھ دیا — یہ ڈھیلہ کس کا بنایا ہوا تھا؟ خدا کا — آپ نے اسے ہی کیوں رکھا نیا کیوں نہ بنا دیا — پھر یہ بات بھی ہے کہ اس آنکھ میں بینائی اللہ نے لوٹائی تھی۔ اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پہ رکھنا حضورؐ کا کام اور اسے صحیح آنکھ بنادینا اللہ کا کام — ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ خالق کل شیء۔

حضرت قتادہؓ اس تکلیف پر جب حضورؐ کے پاس گئے تھے تو حضورؐ نے خدا کا نام لیا تھا کہ میں اس کے حضور دعا کروں گا۔ آپ نے انہیں کہا :-

ان شئت صبرت ولك الجنة وان شئت رددتها ودعوة الله تعالیٰ[2]

ترجمہ۔ اگر تو چاہے صبر کرے اور جنت لے لے اور اگر تو کہے تو میں اسے
اس کی جگہ پہ رکھ دوں اور اللہ سے دعا کروں۔

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ ۔ [2] عمدۃ القاری جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۶ البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۳۳

اب بتایئے حضورؐ نے اسے (آنکھ کو دوبارہ لوٹانا) اللہ کی قدرت کا کرشمہ بتایا یا اسے اپنی طاقت فرمایا ہے؟ یہ دعا کس کے حضورؐ کی جا رہی ہے؟

اہلسنت کے ہاں معجزہ کی حقیقت یہی ہے کہ یہ فعل خداوندی ہوتا ہے اور اس میں اعزاز پیغمبر کا ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھوں پر یہ فعل خداوندی ظاہر ہوا ہے۔

حضرت رافع بن مالکؓ کی آنکھ کا واقعہ

یہ لوگ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جنگِ بدر میں حضرت رافع بن مالکؓ کی آنکھ ضائع ہو گئی۔

فبصق فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لہ فما اذانی منہ شیء.[1]

ترجمہ: آپ نے اپنے منہ کا لعاب میری آنکھ میں لگایا اور میرے لیے اللہ سے دعا کی اس کے بعد میری آنکھ میں کبھی تکلیف نہ ہوئی۔

آپ نے کس سے دعا کی؟ اللہ رب العزت سے ـــــ آنکھ کو شفا دینے والا کون؟ اللہ رب العزت ـــ اس میں عزت کس کی رہی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، جن کے لعاب دہن کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت رافعؓ کو آنکھوں کا نور بخشا۔

اس روایت میں حضورؐ کے مختار کل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور برکت سے حضرت رافعؓ کو ان کی بینائی لوٹائی تو یہ اللہ کی قدرت اور حضورؐ کی عزت کا بیان ہے۔ مسئلہ مختار کل کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے استدلال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور آخری رسول ہیں۔ آپ جب اللہ تعالیٰ

---

[1] نورِ ہدایت

سے کوئی دعا کرتے اللہ تعالیٰ پیشتر اسے قبول فرما لیتے اور آپ جو چاہتے پورا ہو جاتا پھر کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اس پر عمل کریں یا نہ لیکن آپ کے لیے پوری سہولت موجود ہوتی بیویوں کے مسئلہ کو ہی لیں۔ تعدد ازدواج میں خاوند پر باری واجب ہے۔ چار سے زیادہ بیویاں بھی نہیں ہو سکتیں لیکن حضورؐ کے لیے یہ ساری پابندیاں اُٹھ گئیں۔

ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء ومن ابتغیت ممن

عزلت فلا جناح علیك۔ (پ۲۲ الاحزاب ۵۱)

ترجمہ۔ آپ پیچھے رکھیں جس کو چاہیں اور جگہ دیں جس کو چاہیں۔۔ اور جس کو چاہیں ان میں سے لیں۔ جن کو کنارے پر کر دیا تھا تو اس پر آپ کو کچھ گناہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں :۔

جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ لینے کا اختیار بھی ہے۔ یہ حقوق و اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل و مساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ [1]

اس قبولیت عامہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آپ سے عرض کی :۔

ما اری ربك الا یسارع فی هواك ۔ [2]

ترجمہ۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی رضا میں بہت جلدی کرتا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس طرح پوری ہوتی ہے تو کیا اسے مختار کل کے نام سے ذکر نہیں کیا جا سکتا ؟

---

[1] فوائد القرآن ص۵۹۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۰۶، صحیح مسلم جلد ۱ ص۴۷۳

الجواب :

اس میں فعل خداوندی کا ذکر ہے کہ وہ اپنے محبوب کی طلب اور دعا پر ویسا کر دے جیسا آپ چاہیں تو جب کرنے والا وہ خود ہے تو اس میں حضورؐ کے مختار کل ہونے کا مفہوم کہاں سے آگیا۔ الحاد یہی ہے کہ سیدھی بات کو بھی ٹیڑھا کر دو۔

⑩ زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضورؐ کے ہاتھ میں ہیں

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

انی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض۔[1]

ترجمہ۔ مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ اب حضورؐ زمین کے خزانوں کے مالک ہیں اور تمام خزائن ارض کی چابیاں حضورؐ کے ہاتھ میں دی جا چکی ہیں۔

الجواب :

اس حدیث کا مطلب وہ لینا چاہیئے جس کا کہیں قرآن کریم سے ٹکراؤ نہ ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ فرما دیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور حدیث کہتی ہے کہ زمین کے سب خزانے حضورؐ کو دیئے گئے اب تطبیق کی راہ کیا ہے اور پھر —— حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :-

واعطانی الکنزین الاحمر والابیض وان امتی سیبلغ ماذوی لی منہا۔[2]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سُرخ اور سفید دو خزانے دیئے ہیں اور بیشک میری امت وہاں تک پہنچے گی جو زمین میرے قریب لائی گئی (مجھے دکھا دی گئی ہے)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [2] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۴۹

یہ خزانے امت کو ملنے مراد ہیں۔ یہاں حضورؐ کے مختارِ کل ہونے کا موضوع نہیں ہے۔

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

معناہ الاخبار بان امتہ تملک خزائن الارض وقد وقع ذلک۔[۱]

ترجمہ۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خبر دی جا رہی ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک اور ایسا واقع ہو گیا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ کو زمین کے خزانوں کا ملنا خواب میں دکھایا گیا تھا:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم اتیت خزائن الارض فوضع فی یدی اسوارین من ذھب فکبرا علی واھمانی فاوحی الی ان انفخھما۔[۲]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں سویا ہوا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے خزانے مجھے دیئے گئے اور میرے ہاتھوں میں زمین کے دو کنگن ڈالے گئے یہ مجھ پر گراں گذرے انہوں نے مجھے غم میں ڈالا پھر اسی حال میں مجھ پہ وحی آئی کہ انہیں پھونک سے اڑا دو۔

علامہ عزیزی نے اسے استعارہ قرار دیا ہے:۔

استعارۃ لوعد اللہ بفتح البلاد۔[۳]

ترجمہ۔ یہ کنگن اس بات سے استعارہ تھے کہ آپ کی امت کے لیے یہ سب علاقے فتح ہوں گے۔

آسمانوں کے خزانوں سے سورۃ بقرہ کی آخری آیات بھی مراد لی گئی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ابن خزیمہ اور امام نسائی کے حوالے سے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

واعطیت ھذہ الآیات من آخر سورۃ البقرہ من کنز تحت العرش یشیر الی ما حطہ اللہ عن امتہ من الاصر وتحمیل ما لا طاقۃ لھم بہ ورفع الخطاء والنسیان۔[۴]

---

[۱] شرح صحیح مسلم ص۲۵۰ [۲] صحیح مسلم ص۲۴۴ [۳] السراج المنیر جلد ۲ ص۲۵ [۴] فتح الباری جلد ۲ ص۵۰

ترجمہ: اور مجھے سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات اس خزانے سے دی گئیں جو عرش تلے ہے یہ اس بات کا اشارہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے بوجھ اور اس چیز کا اٹھانا جس کی ان میں طاقت نہ ہو اتار دیا ہے۔ اس امت سے بھول چوک اٹھا دی ہے یعنی اسے معاف کر دیا ہے۔

تو یہ وہ عطائے الٰہی ہے جس سے پوری امت فیض یاب ہو رہی ہے۔ زمین و آسمان کے یہ خزائن امت پر کھل رہے ہیں اور یہ حضورؐ کی امت ہی ہے جو دنیا کے ان کناروں تک پہنچی جہاں تک آنحضرتؐ کو اس کی حدود بتائی گئی تھیں ۔۔۔ اس روایت میں اگر کسی کے مختار کل ہونے کا پتہ ملتا ہے تو یہی کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام دنیا پہ چھا جائے گی نہ قیصر رہے گا نہ کسریٰ بس مسلمان ہی اس زمین پر مختار کل ہوں گے۔ بریلوی حضرات اگر اس معنی سے حضورؐ کو تمام خزائنِ ارضی کا مالک کہیں تو ہمیں اس استعارہ سے انکار نہ ہو گا۔ کما اقربہ العلامۃ العزیزی۔

حضورؐ کی برکات صرف ارضی خزائن تک نہیں

آنحضرتؐ کی برکات سے اس امت کو جو حصہ ملا ہے کوئی ایمان دار اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قاسمِ ازل اللہ رب العزت کی ذات ہے اسی نے بنی نوعِ انسان کو رزق بخشا اور اسی نے مومنین کو اخلاق بخشے۔ ہاں علم کی تقسیم اس نے نبوت و رسالت کی راہ سے کی ہے اور بیع و شراء، ہبہ و وراثت اور غنائم میں تقسیم اس نے شریعت میں منضبط ٹھہرائی ہے۔ سو اس زمین پر تمام مادی خزانے اور روحانی کمالات تقسیم کرنے والا صرف اللہ رب العزت ہے اور امت کو علم حضورؐ سے وراثۃً ملتا ہے۔ مسئلہ مختار کل کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ بریلوی علماء کی سینہ زوری ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے عقائد میں داخل کر رکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔